اردو کا نعتیہ ادب

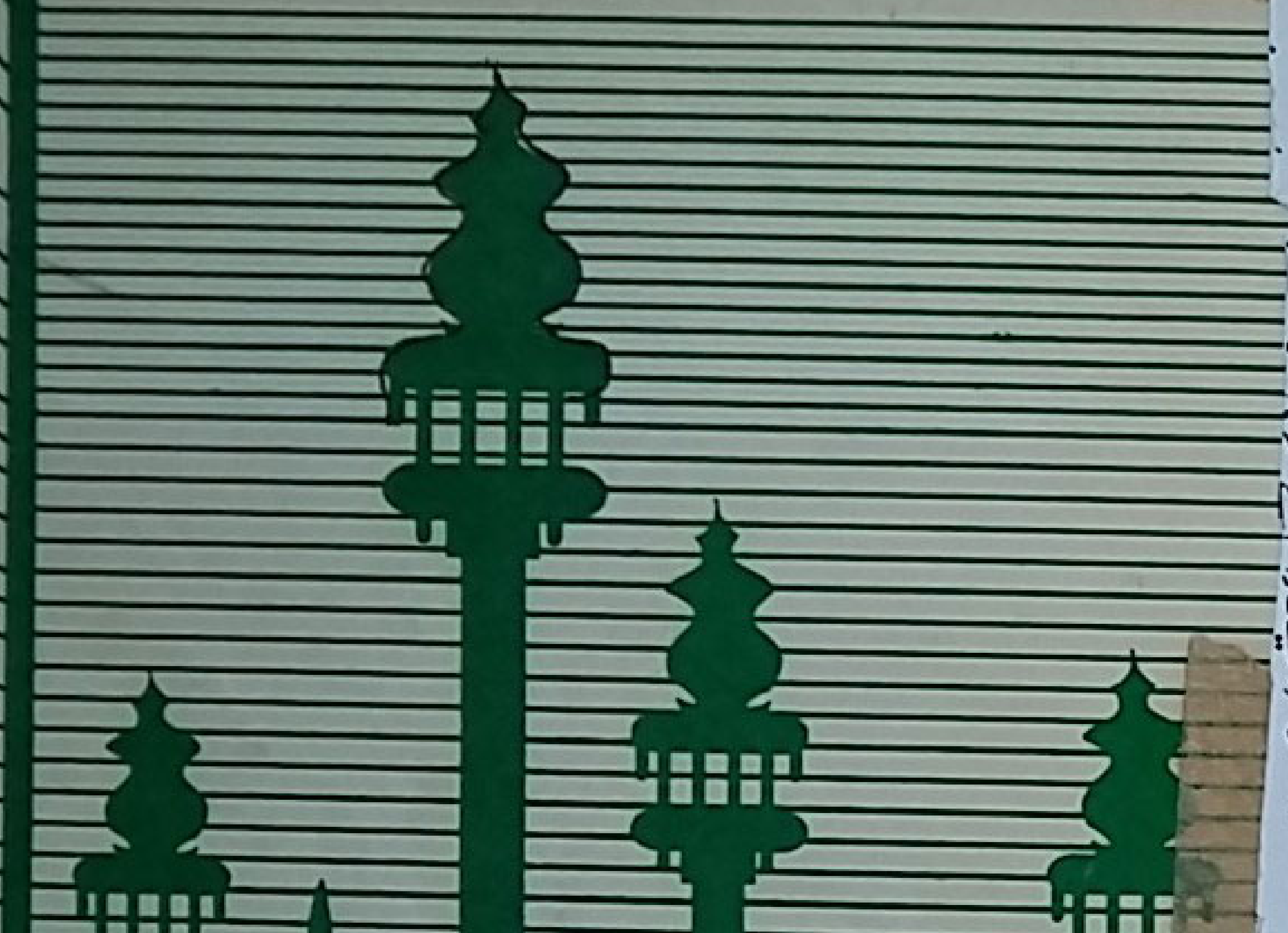

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

مصنفہ
ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر قادری ابو العلائی

بسمہٖ تعالیٰ

اُردو کا نعتیہ ادب

اور

انتخابِ قصائدِ نعتیہ

مُصنّفہ

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہرؔ

خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ

الہ آباد

ملنے کا پتہ

سید حیات احمد

۱۸۳/۱۲۷ چک، نیا حجرہ، الہ آباد، یوپی

183/127 - CHAK, NAYA HUJRA,

PHONE NO — ALLAHABAD (U.P) — 400590

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

www.sabih-rehmani.com/books

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ :

نام کتاب	:	اُردو کا نعتیہ ادب
مصنف	:	ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر
تاریخ اشاعت	:	جنوری ۲۰۰۱ء
تعداد	:	پانچ سو
کاتب	:	سید محمد خورشید جمیل
مطبع	:	اینگل پرنٹرس، الہ آباد
قیمت	:	۳۵/-

ملنے کا پتہ

سید حیات احمد — Syed Hayat Ahmad
۱۸۳/۱۲۷، چک نیا حجرہ — 183/127, Chak, Naya Hujra
الہ آباد (یوپی) — Allahabad (U.P)
Phone No : 400590

انتساب

اپنی اس حقیر کوشش کو ابی المحترم پیر طریقت

حضور علامہ الحاج حکیم سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ

زیب سجادہ

خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، چک نیا حجرہ، الہ آباد

کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل

کرتا ہوں

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

فہرست

۱۔ نوائے آغاز۔ ۵
۲۔ نعت کی تعریف و توضیح۔ ۷
۳۔ کچھ حقائق و انکشاف، صنف نعت کی بابت۔ ۱۰
۴۔ نعتیہ شاعری کی ابتدا و ارتقاء۔ ۱۷
۵۔ اردو نعتیہ شاعری کا ماضی و حال۔ ۲۵

انتخابِ قصائدِ نعتیہ:

۱۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ۔ ۴۲
۲۔ غلام امام شہیدؔ۔ ۴۵
۳۔ کرامت علی شہیدیؔ ۵۰
۴۔ محسنؔ کاکوروی۔ ۵۲
۵۔ امیرؔ مینائی۔ ۵۶
۶۔ احمد رضا بریلوی۔ ۶۰
۷۔ حسنؔ بریلوی۔ ۶۷

نوائے آغاز

تہذیبیں بدلتی رہتی ہیں، قدریں چڑھتی اترتی رہتی ہیں۔ جنگِ آزادی کے دوران اور اس کے بعد دل و دماغ اور طرزِ حیات میں غیر معمولی انقلاب رونما ہوا۔ سماج و معاشرہ کے بیشتر افراد امن و امان، حفظِ جاں، عزت و عصمت اور روحانی اقدار کے متلاشی دکھائی دینے لگے۔ جو سکون و راحت اور فتح و نصرت مذہبی سطح پر حاصل کی جاسکتی ہے۔ خارجی یا غرض مندانہ طور پر نہیں حاصل کی جاسکتی علمائے دین، مجاہدینِ اسلام اور شعرائے اسلام تو اپنا فریضہ نبھاتے رہے مگر ایسے ہولناک ماحول میں جب کہ نعتیہ و صوفیانہ اور اخلاقی نثر و نظم کو پوری اجتماعیت کے ساتھ پھیلنے کا موقع ملا تھا، یارانِ ادب، ادبی و اخلاقی تقاضوں کا رُخ بدلتے ہوئے انفرادی فلاح و شہرت کی سبیل تلاش کرنے لگے اور موقع شناس فکر و نظر کی بنیاد رکھتے ہوئے کثرت کے ساتھ غیر مذہبی شاعری کا الاؤ جلاتے رہے۔ جن منظومات کی طرف راقم کا اشارہ ہوسکتا ہے وہ روحانی و عرفانی فیضان کی چمک سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ ملک و ملت کی فرضی وظیفہ خوانی اس طور پر کی گئی کہ خود اپنے ایمان اور خود اپنی روحانیت سے ہاتھ دھونا پڑ گیا۔ اسی منظومات نے نہ صرف نعتیہ شاعری کے ماحول میں خلل پیدا کیا بلکہ علم و ادب کے بے شمار طالب علموں کو گمراہ بھی کیا۔

حیرت کی بات ہے کہ بے شمار غیر مسلم نعت گو شعراء کے سامنے اردو ادب کا ایک بڑا مسلم طبقہ آج بھی صنف نعت کی عظمت اور محبت و عقیدت سے دُور رہے اور نعتیہ خدمات کو اپنی تحقیقی و تنقیدی دیدہ وری کے حق میں معمولی اور موجودہ ادبی روش کے منافی سمجھتا ہے۔ جب کہ عظمتِ نعت کو حاصلِ اصناف تسلیم کرنے والے دنیا کی ہر دھرتی پر آباد ہیں۔ تاہم اس طبقہ و قبیلہ کی دنیا میں انشاءاللہ جب

بھی قربتِ عشقِ رسالت کا طوفان جاگے گا دل تڑپ کر رہ جائے گا، آنکھیں اشکبار ہو جائیں گی اور وفورِ شوق مدیحِ نبوی کے لئے بیتاب ہو اٹھے گا تب نعت کی ایک اور فضا قائم ہوگی اور ہر طرف نیا ماحول تعمیر ہوگا۔ تبلیغ و تشہیر کے ساتھ ساتھ تدریسِ نعت کی ضرورت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس کے حق میں انصاف اور مخصوص ادب نوازی کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام دانش گاہوں کے اردو نصابات میں نعتیہ شعر و ادب کو داخل کیا جائے اور تدریسی عوامل و فرائض کے زیرِ اثر طالبانِ ادب کو نعت جیسی آفاقی صنفِ سخن کے روحانی و اخلاقی فکر و فن اور اسکی ادبی حیثیتوں سے آشنا کیا جائے۔

دانش وران ادب سے خاکسار کی گذارش ہے کہ صنفِ نعت کی عام تدریس کے لئے نصابات کے پیشِ نظر کتابیں شائع کریں جب تک کہ نصابات کی رعائت پر کتابیں نہ شائع کی جائیں گی اس کی تدریس کا سلسلہ دراز نہ ہوگا۔ اس مقصد کی خاطر ابھی بھی کتب و رسائل بہت کم ہیں۔ لہٰذا اس اہم فریضے کی طرف توجہ ضروری ہے۔ جتنی کثرت سے نعت کے مجموعے منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں اس اعتبار سے نعتیہ شعر و ادب کے موضوع پر کتابیں بہت کم شائع ہوتی ہیں۔ تاہم بعض ایسی کتابیں ضرور موجود ہیں جنہیں نصاب میں داخل کرنے کا فریضہ پورا کیا جا سکتا ہے۔ صنفِ نعت کی خدمات کا ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ اس کی بابت رجحان و میلان میں تیزی لاتے ہوئے اصحاب دیوان اساتذۂ نعت کے عظیم نعتیہ کارنامے، ان کے فکر و فن اور حیات کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی، ایوارڈ کے لئے تحقیقی مقالے لکھوائے جائیں اور ان کی اشاعت کی سبیل پیدا کی جائے۔ اس فریضے سے نعتیہ شعر و ادب کے فروغ کو ایک نئی آنچ ملے گی اور شعرائے نعت کی عظیم و بلیغ فکر و فن کو منظرِ عام پر لانے کا حق بھی ادا ہوتا رہے گا۔

نعتیہ شعر و ادب کے موضوع پر خاکسار کی یہ دوسری تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے (آمین)۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور بے علمی کا اعتراف ہے بس ایک جذبہ ہے کہ اغلاط و عیوب کے باوجود اپنے مشن کے راستے پر چلتا جا رہا ہوں۔ دعا فرمائیے کہ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں علم و ادب سے آشنا کر دے (آمین)

سید شمیم احمد گوہر

نعت کی تعریف و توضیح

نَعَتُ عربی زبان کا معروف لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی تعریف و توصیف بیان کرنے کے ہیں۔ یہی مفہوم لفظ مدح کا بھی ہے۔ مگر نعت کے مقابلہ میں عربی شعر و ادب میں لفظ مدیح کا استعمال زیادہ ہے۔ شعری اصطلاح میں مدح رسالت کے لئے علامتِ نعت کا کوئی استعمال نہیں۔ مگر صدیاں گزر جانے کے بعد جب اس پر سے گمنامی کے پردے ہٹے تو فارسی اور اُردو زبانوں نے اس لفظ کو مدح رسالت مآب کے لئے مخصوص و متعین کر کے اپنے دین و ایمان کا وظیفہ بنا لیا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ لفظ قدرتی طور پر روزِ ازل ہی سے مدحتِ رسالت کے حق میں وقف ہو چکا تھا۔ اور مخصوص علامت و شناخت سے متصف ہونا اس کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ جس قدر وسیع و بلیغ نعتیہ سرمایہ اردو و فارسی میں ملتا ہے کسی زبان میں نہیں ملتا۔ اور جس کثرت کے ساتھ اردو، فارسی میں نعتیہ شاعری کی جاتی ہے کسی زبان میں نہیں کی جاتی۔

عرب و حجاز میں توصیفی شاعری کی ابتدا ہوئی تو عربی اصطلاح میں ہر ممدوح کے لئے لفظ مدح ہی مخصوص کیا گیا۔ نعتیہ و ثنائیہ شاعری کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہونے لگا۔ اگر شاعری کا موضوع مدحت رسالت سے منسوب ہو تو بغرض توضیح، "المدیح النبویہ یا المدائح الرسول" وغیرہا لکھنے کا مزاج ہے تاکہ اصل موضوع واضح ہو جائے۔ لیکن صرف مدح کی رعائت سے کسی بھی ممدوح کی بابت توصیفی شاعری کے جواز کی صورت میں اصطلاح مدح کی وہ مجرد حیثیت نہ بن پائی جو لفظ 'نعت' کی بنی۔ نعت کی تخصیص و علامت پر مدحتِ رسالت کا عرب میں کبھی کوئی رواج نہ تھا۔ مگر مدح کی غیر انفرادی حیثیت کے تحت اُردو

شعر و ادب میں لفظ نعت کی ایسی موضوعاتی اور ادبی اصطلاح وضع ہو گئی کہ اس سے مدحِ رسولِ خُدا کے سوا اور کوئی موضوع مُراد نہیں۔ محض لفظ کی بنیاد پر بغیر مطالعہ و اطلاع کے موضوع کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ گویا اگر نعت ہے تو پھر کسی دوسری ذات یا کوئی غیر متعلق موضوع کا سوال ہی نہیں۔ مگر اس کے برعکس لفظ مدح سے صرف مدحِ رسالت کی کوئی تعیین نہیں ملتی۔ جب تک کہ مدح کے ساتھ نبی یا رسول وغیرہا کا اضافہ نہ کیا جائے، یا پھر کلام پڑھنے کے بعد موضوع کی معرفت نہ حاصل کی جائے۔ لیکن اردو شعر و ادب کی اصطلاح میں تنہا لفظ نعت بذاتِ خود نعت رسالت کی مخصوص علامت بن گیا۔ اس کے ساتھ نعتِ نبی یا نعتِ رسول کے اضافے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہی سبب ہے کہ نعت کو نہ صرف موضوعاتی بلکہ لفظی طور پر بھی صنف ہونے کا باقاعدہ اور تاریخی شرف حاصل ہوا جو کسی صنف کو میسّر نہیں اور نہ ہی کسی اور زبان کی شاعری نعت جیسا بدل پیش کر سکتی ہے۔ اردو کے تمام اصنافِ سخن مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، رباعی اور قطعہ وغیرہا اپنے لغوی مفہوم کے زیرِ اثر نہیں بلکہ صنف و ہئیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صنف نعت جیسے مخصوص و مجرد موضوع کی متعینہ شناخت نہیں رکھتا۔

یہ صحیح ہے کہ موضوع اصل ہے۔ اس میں مقابلہ مدح و نعت کی کوئی شرط نہیں۔ اس کے علاوہ بھی عناوین قائم کئے جاتے ہیں۔ بنیادی بات یہ بھی ہے کہ مدح و نعت میں سے کسی کو ہئیتی حیثیت تو حاصل نہیں جس کی بابت یہ کہا جائے کہ ثنائے حبیب کے لئے صرف نعت کا استعمال ضروری ہے، مدح و وصف کا نہیں مگر غیر ہئیتی صنف ہونے کے باوجود کیا یہ کمال و فضیلت کی بات نہیں کہ مطالعہ کے بغیر صرف لفظ 'نعت'، نعت رسول کی علامت بن جائے۔ چنانچہ اس تشکیل و توضیح اور تخصیص و تعیین کے پیشِ نظر کسی بھی نبی و رسول اور فرشتوں سے منسوب شاعری کے کسی بھی فن پارے کو وصفیہ یا مدحیہ ہی کلام کہا جائے گا،

نعتیہ کلام نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس حبیبِ خُدا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں کائنات کا ذرہ ذرہ مدح خواں ہو، خود ربّ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیج رہے ہوں ان کے حق میں نعتیہ اصطلاح کو صرف نعت رسول کے لئے وقف و متعین کر دینا اور تمام شرائط و قیود کا لحاظ رکھنا عین عبادت و فضیلت کی بات ہے۔ ثنائی شاعری کی معرفت میں جو جامعیت و اکائی، تنہا لفظ کو حاصل ہو چکی ہے، وصف و مدح اور ثنا وغیرہا کو حاصل نہیں۔

آخر میں خاکسار کہنا چاہے گا کہ جو متعینہ موضوعاتی حیثیت نعت کی ہے اس سے بڑھ کر حمد کی ہے۔ مگر اردو زبان میں چونکہ نثر کے مقابلہ میں منظوم طور پر حمدیہ شاعری بہت کم کی گئی ہے اس لئے ادبی اصطلاح میں حمدیہ شاعری کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نعتیہ شاعری ہی میں حمدیہ اشعار کہنے کا قدیمی مزاج رہا ہے۔ تاہم موضوعات متعلقہ کے تحت یہ دونوں صنفیں (حمد و نعت) اپنے اپنے لفظی تعین کی روشنی میں انفرادیت و اکائی کا درجہ رکھتی ہیں۔

●● ―――――

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

کچھ حقائق وانکشاف

صنفِ نعت کی بابت

ھجرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار سال قبل بادشاہ یمن تبع حمیری نے بحر و وزن کے ساتھ نعتیہ اشعار لکھ کر نعتیہ شاعری کی ابتدا کی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری کی ساکھ اور اس کی روحانی قدریں کتنی مستحکم اور قدیمی ہیں کہ تقریباً بچیس ۲۵ سو برسوں سے یہ مقدس فریضہ انجام دیا جا رہا ہے اور اللہ کے نیک بندے ہر عہد میں عرفانِ حُب کے چراغ روشن کرتے آرہے ہیں۔ بالخصوص عربی و فارسی اور اردو زبان میں کثرتِ نعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس حقیقت کے باوجود بعض دانشوروں کی جانب سے نعت کے صنف نہ ہونے کی آواز آج بھی برابر سنائی دے جاتی ہے۔ کتنی غیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جو شاعری جنابِ رسالت مآب کی مدح و ثنا کا دم بھرتی ہو۔ جس شاعری سے لذتِ روحانی اور عرفانِ خیر کی دولت ملتی ہو اُسے تو ہر پہلو سے صنفوں کا سرتاج سمجھنا چاہئے تھا۔ مگر جس طرح بہت سے افراد روزہ و نماز اور حج و زکوٰۃ کی کوئی حیثیت نہیں جانتے وہ صنف نعت کو آخر کیسے خاطر میں لاتے۔

ارباب ادب جانتے ہیں کہ جیسے جیسے شاعری کی مختلف صورتوں اور ہیئتوں کا انکشاف ہوتا گیا اسی کے مطابق اصول و ضوابط اور عروضی قوانین کو ترتیب دیا گیا جن کا نام غزلِ مسلسل، غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ اور مستزاد وغیرہا رکھا گیا۔ ایسا نہیں کہ قصیدہ و مثنوی کا نام پہلے متعین کیا گیا ہو اور ان کے اصول بعد میں وضع کئے گئے ہوں۔ اگر ایسے کسی بھی قاعدہ و اصل کی علامت موجود رہی ہوتی تو آج ہر صنف و موضوع کے لئے ایک نئی ہیئت کی ترتیب و

دریافت آسان ہو جاتی۔ شاعری کی چند متعینہ ہیئتیں دراصل تمام اقسام سخن اور اصناف شاعری کا مرجع و مصدر ہیں۔ جو مصرعوں، بحروں اور قافیوں کے مختلف ضابطہ و قرینہ کو ثابت کرتی ہیں۔ ان ضابطوں سے کسی بھی موضوع کو وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ موضوع کی شعریت خود واضح کر دے گی کہ اس کا تعلق کس قانونی ہیئت سے ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعری میں موضوعات و جہات کی کمی نہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ شاعری کا مخصوص موضوع بن سکتا ہے۔ اب ہر موضوع کے لئے ہر نئی ہیئت کی دریافت نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی شعری تقاضوں کے مطابق ہے۔ تسلیم صنف کے لئے موضوع کی وسعت و کشادگی اور اس کے اجتماعی اظہار کی کثرت بہت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرثیہ، نعت سے زیادہ قدیمی صنف ہے مگر اس کی بھی کوئی ہیئت متعین نہیں ہے۔ عربی و فارسی اور اردو کی تمام مروجہ ہیئتوں میں یکساں مرثیہ نگاری کا رواج بنا رہا۔ خلیق و ضمیر اور انیس و دبیر نے مرثیہ کو یقیناً بہت فروغ دیا۔ مگر مصرعوں کی بندش اور قوافی کی تنظیم کسی ہیئت کی تابعداری نہیں بلکہ تقلید سودا کے پیش نظر مصرعوں کی محض جدید بندش کو واضح کرتی ہے بعد کے بہت سے ممتاز شاعروں نے انیس کی اس رثائی تنظیم کی قطعی تقلید نہیں کی۔ ڈاکٹر اقبال نے کئی مرثیے، مثنوی کی ہیئت میں لکھے ہیں۔ ظاہر ہے صنف کا فیصلہ موضوع سے ہوتا ہے، ہیئت سے نہیں۔ اردو شعر و ادب میں "شہر آشوب" اور "بارہ ماسہ" وغیرہا ایک مستقل اور قدیمی صنف ہے اور تمام اساتذۂ متقدمین نے اس میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر ایک علیحدہ ہیئت کی ایجاد ان صنفوں کے لئے بھی ممکن نہ ہو سکی۔ اسی طرح حمد، منقبت، مناجات، سہرا اور مزاحیہ شاعری بھی ہیئتوں سے مستثنیٰ ہیں جب کہ ان کی مستقل اور مقبول ترین صنفی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ہیئتیں تو خود موضوعات کی محتاج ہیں نہ کہ ہر موضوع کے لئے ایک نئی ہیئت کی فضول ضرورت محسوس کی جائے۔ ایسے مساوی ضابطے کے تحت مرثیہ، شہر آشوب اور بارہ ماسہ وغیرہا کی عدمِ ہیئت پر غور کر لیا جائے تو

صنفِ نعت کی بابت تقاضۂ ہیئت خود بخود زائل ہو جائے گا۔ ہر نیک اور مستحسن موضوع کا اصل مقصد اس کا فروغ و تحفظ ہے نہ کہ جدید ہیئت کی تشکیل و ساخت کی سعیٔ لاحاصل۔ صنفِ نعت کو کسی اضافی ہیئت میں مقید کرنا نہ صرف نعت بیزاری کا ثبوت ہے بلکہ فریضۂ ارتقا اور دائرۂ افکار کے سمیٹنے کی نیت کو بھی واضح کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بات مثنوی میں پیدا کی جاسکتی ہے، قصیدے میں نہیں کی جاسکتی اور فکر و فن کا جو معیار غزل میں ظاہر کیا جاسکتا ہے رباعی میں نہیں ظاہر کیا جاسکتا۔ حمد و نعت ایک روحانی و آفاقی اور فصیح و بلیغ شاعری کا نام ہے۔ جس کی بے پناہ وسعتیں کسی ہیئتی خول میں مقید ہونے کی متقاضی نہیں بلکہ آزاد ہی رہنے کی حقدار ہے۔ ہر شاعر اپنے رجحان و میلان اور پسندیدہ صنف کے تحت طبع آزمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق موضوع کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً مولائے روم، اور شیخ سعدی نے مثنوی، حافظ و جامی نے غزل اور قاآنی و خاقانی وغیرہم نے قصیدے میں کمال دکھایا تو عمر خیام نے رباعی میں نام پیدا کیا۔ اگر مانا کہ اخلاقی و روحانی شاعری کے لئے غزل ہی کی ہیئت متعین رہی ہوتی تو مولائے روم مثنوی میں کمال پیدا کرنے سے محروم رہ جاتے۔ جس طرح کہ مثنوی لکھنا غالب کے لئے دشوار ہوگیا اور حسن و انیس کے لئے قصیدہ وبالِ جان بن گیا۔ واضح ہوا کہ ایسی محدود و مقید صورت میں نعتیہ موضوع کی ساری ارتقا خطرے میں پڑ جاتی اور اپنے جملہ کمالات و محاسن اور بلیغ فکر و فن کے ساتھ نعتیہ شعر و ادب کا اتنا عظیم سرمایہ وجود میں نہ آیا تا۔ پورا قرآن حکیم جو مدحتِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے معمور و مجلیٰ ہے، ارشاد فرماتا ہے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (اے نبی ہم نے تمہارے لئے ذکر کو بلند و بالا کیا) لہٰذا ہر ہیئت و ترتیب میں نعت گوئی کا فریضہ اعلانِ قرآنی کے بھی عین مطابق ہے۔

نعت کی باقاعدہ صنفی حیثیت کے موضوع پر ادب کے بہی خواہوں نے بہت کم قلم اٹھایا۔ بلکہ منفی نقطۂ نظر کا بکثرت مظاہرہ کیا۔ اس منفی مظاہرے

کے زیرِ اثر نعت کا نصاب میں داخل نہ ہونے کے مقصد کی جڑیں برابر مضبوط ہوتی رہیں۔ اس نازیبا رویے نے نہ صرف صنفِ نعت کو ہمیشہ نقصان پہنچایا بلکہ جڑ کھودنے کی نیت بھی سامنے آتی رہی۔ علم و ادب اور حبِ رسالت کے ہمارے نئے متوالے اس بے اعتنائی اور اس غیر منصفانہ روش کو اب برداشت نہ کرسکیں گے بلکہ اس راقم حقیر کے ساتھ یہی چاہیں گے کہ صنفِ نعت کو اب نصاب میں جلد ہی داخل کر لیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی بابت تھوڑی سی توجہ ظاہر ہوئی ہے اور چند دانش گاہوں میں جزوی طور پر سوداؔ، محسنؔ کاکوروی، احمد رضا بریلوی اور حسنؔ بریلوی وغیرہم کے بعض نعتیہ کلام کو اردو نصاب میں داخل کرنے کا فریضہ انجام دیا گیا ہے۔ مگر اتنی مختصر سی ہمدردی تقاضۂ فروغِ نعت کو پورا نہیں کرتی بلکہ جس طرح پر تمام مقبول اصنافِ سخن نصاب میں داخل ہیں بالکل اسی طرح صنفِ نعت کو بھی داخل کر لینا ہوگا۔ شعر و ادب کے نام پر ایک ایسی جماعت بھی پنپتی رہی جس نے اپنے مطمحِ نظر کو مذہبی اقدار سے ہمیشہ دور رکھا اور مذہبی نگارشات و تخیلات کو غیر ادبی چیز تصور کرتے رہے۔ ان کی جانب سے مذہب کو کوئی فائدہ نہ پہونچا۔ ان کی شاعری سے آسمان گونجنے لگا۔ لیکن تمام عمر کی شاعری میں حمد و نعت کے موضوع پر ایک شعر کہنے کی توفیق نہ ہوئی۔ جب کہ اسی ماحول میں سیکڑوں ہندو شعراء نعتیہ خدمات انجام دینے کا فخر حاصل کرتے رہے۔ کہنے کو بعض شعراء مثلاً حالیؔ، امیرؔ مینائی، ڈاکٹر اقبالؔ، سیمابؔ اکبرآبادی، اور ظفر علی خاں کی شاعری نصاب کی رونق ہے۔ مگر امتحانات کے پرچوں میں نعتیہ شاعری یا حُبِّ رسالت کی بابت کوئی سوال نہیں ترتیب دیا جاتا۔ عجیب بات ہے کہ ان شعراء کی جملہ شاعری تو پڑھائی جائے مگر ان کی نعتیہ شاعری کو نظر انداز کیا جائے۔

کیا یہ مقامِ ماتم نہیں کہ صرف ہیئتِ غزل کے سوا دیگر تمام شعری ہیئتوں کا کوئی پرسانِ حال نہ رہ گیا۔ ساری ہیئتیں اب اپنے شاعروں کو ترس کر رہ گئیں اساتذۂ متقدمین کے غیر موضوعاتی قصیدوں اور مثنویوں کے بعد اس کی رفتار

ارتقاء کیا رہ گئی اور کتنے کارناموں کو تسلیم کیا گیا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ شعر و ادب کے ایسے چہیتے جو میر حسن و شوق کی مثنویوں اور سودا و ذوق کے رنگِ قصائد کی تحریک کو عرصۂ دراز سے کچھ بھی آگے نہیں بڑھا سکے۔ وہ صنفِ نعت کے حق میں مثبت طور پر کیسے سوچ سکتے ہیں۔ یہ فیضان نعتیہ شاعری ہی کا ہے کہ قدیمی قصیدوں اور مثنویوں کے بعد جتنے بھی معیاری اور قابلِ قدر مثنوی و قصیدے لکھے گئے اکثر نعت ہی کی صورت میں لکھے گئے۔ صنفِ نعت نے اگر کثرتِ استعمال کے ساتھ ان صنفوں کو شاد و آباد نہ رکھا ہوتا تو محض غزل کی بنیاد پر تمام ہیئتوں کا دم گھٹ کر رہ گیا ہوتا۔ شعرائے متقدمین کے ارتقائی عمل کے بعد اس ذمہ داری کا فریضہ صرف صنفِ نعت ہی انجام دیتی آرہی ہے کہ وہ اپنے روحانی و اخلاقی فکر و نظر کے سہارے تمام ہیئتوں کو زندگی عطا کرتی رہی ہے۔ مثلاً غلام امام شہید، کرامت علی شہیدی، کافی مرادآبادی، لطف علی لطف، بریلوی، محسن کاکوروی، امیر مینائی، رضا بریلوی، حسن بریلوی، فقیر دہلوی، کیف ٹونکوی، ابرار ہسوی، وحید ہسوی، سیماب اکبرآبادی، نعیم مرادآبادی، جمیل بریلوی طالب بریلوی، حافظ پیلی بھیتی، سید کچھوچھوی، کرشن پرشاد شاد، حفیظ جالندھری صادق دہلوی، شفیق جونپوری، بہزاد لکھنوی، حمید صدیقی لکھنوی، ضیاء القادری اختر الحامدی، حفیظ تائب، ماہر القادری، امجد حیدرآبادی، نادر پھپھوندوی، ... عبدالحمید عدم، بیدم شاہ وارثی، شارق ایرایانی، نوری بریلوی، تمنا عمادی، معین آروی، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی، راجا رشید محمود، ناسمی انصاری لکھنوی، عرش ملیسانی، بانکے لال بہاری، حافظ لدھیانوی، حافظ عبدالغفار حافظ، مسرور کیفی، سید محمد حسن رضوی، اقبال عظیم، احسان دانش، نادم بلخی، اوج گیاوی، عروج قادری، سکندر لکھنوی، انور فیروزپوری، عزیز خیرآبادی، فدا خالدی، صابر ضیائی، عزیز حاصل پوری، عبدالکریم ثمر، چودھری ولدرام کوثری، کوثر نیازی محشر رسولپوری، بیکل اتساہی، مذاق بدایونی، راز الہ آبادی، بدر القادری، اجمل

اجمل سلطانپوری، اور صبیح رحمانی وغیرہم جیسے نہ جانے کتنے اہم شعراء کے کارنامے شامل ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہے کہ جو صنفیں اپنی ہیئتوں کے ساتھ اپنی رفتارِ ارتقاء کو برقرار نہ رکھ سکیں صنفِ نعت نے اپنی عدمِ ہیئت کی بنیاد پر قصیدہ و مثنوی کو آباد رکھا۔ حتیٰ کہ تادمِ تحریر ہائکو اور سانیٹ کو بھی صنفِ نعت ہی نے زندگی عطا کی۔ بلکہ باقاعدہ مجموعے تک شائع ہو رہے ہیں۔ جب کہ ان صنفوں سے وابستہ ہونے والے خود کنارے بیٹھ گئے۔

نصاب میں ترمیم و تبدیلی بہت ضروری ہے۔ اردو شعر و ادب کا موجودہ نصاب آج بھی جن پریوں والی مثنویوں اور غلو نواز قصیدوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ کیا ایسی طلسماتی شاعری سے تدریس و تعلیم کا کوئی معیار متعین ہوتا ہے۔

مسئلۂ اجزائے ترکیبی :

نعت کی بابت ایجادِ ہیئت کے علاوہ اجزائے ترکیبی کا معاملہ تشکیل بھی سامنے لایا گیا جو محض لاعلمی و نادانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہیئت اور واقعاتی ترتیب کے تحت فروغِ نعت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اولاً پابندیٔ ہیئت سے وسعتِ نعت گوئی سمٹتی ہے۔ دوم اجزائے ترکیبی سے نعتیہ شاعری، غزل رباعی، قطعہ اور مستزاد وغیرہا کی ہیئت سے محروم ہوتی ہے اور یہ دونوں ہی صورتیں صنفِ نعت کی آفاقی ارتقاء میں نقصان دہ ہیں۔ نعت اور مرثیے کی غیر ہیئتی صنفوں کی جڑیں اتنی پختہ اور قدیمی ہو چکی ہیں کہ اب ان کے لئے محض ایک ڈھانچے کا تصور نہ ممکن ہے اور نہ ہی تعیین کی کوئی صورت اردو شاعری میں جہاں تک اجزائے ترکیبی کا تعلق ہے۔ بے شمار مثنویوں ۔

قصیدوں اور مرثیوں میں اجزائے ترکیبی کا کوئی اہتمام نہیں ملتا اور نہ ہی تمام رسمی یا مروجہ اجزاء کا برتنا ضروری شرط میں شامل ہے۔ تشبیب و گریز کو چھوڑ کر اگر صرف ممدوح کی مدح و وصف ہی پر اکتفا کیا جائے تو بھی اسے ایک مکمل قصیدہ کہا جائے گا۔ ایسا قطعی نہیں کہ اظہار اجزاء کے بعد ہی اس کو قصیدہ و مثنوی یا مرثیہ تسلیم کیا جائے۔ صنف کی شناخت، ہیئت و موضوع سے ہوتی ہے، اجزائے ترکیبی سے نہیں۔ تاہم قدیم مولودی مجموعوں کے قصیدوں اور مثنویوں میں اجزاء کی بہترین مثالیں ملتی ہیں جو عموماً بشارتِ ولادت، انوارِ ولادت، ساعتِ ولادت اعلانِ نبوت، شانِ رسالت، معجزات، غزوات، معراج، ہجرت، فضائلِ مدینہ اسوۂ مبارکہ، اخلاقِ حسنہ، رحمت و شفاعت، واقعات و کردار اور حسن و جمال وغیرہا جیسی ترکیبوں سے متعلق ہیں۔ حفیظ جالندھری کے "شاہنامۂ اسلام" میں اجزائے ترکیبی کا بڑا وسیع اور خصوصی اہتمام نظر آتا ہے۔ مگر یہ سارے اجزاء قصیدہ و مثنوی کی رعائت سے ہیں، کسی مشروط حیثیت سے نہیں۔ جس موضوع میں جتنی وسعت ہوگی اسی طور پر اجزاء کی راہ نکلتی جاتی ہے یا نکالی جاتی ہے۔

اجزائے ترکیبی کی غیر حقیقی صورت حال کا اندازہ مرثیے کے توسط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مرثیہ کا مفہوم کسی کی بھی موت پر اظہارِ رنج و غم، اذیتِ فراق، اوصاف و محاسن اور کردار و عمل کا بیان کرنا ہے۔ مفہوم کی اصلیت اپنے صنف کے ساتھ آج بھی مسلّم ہے۔ کسی بھی نیک شخص کی موت پر مرثیہ لکھا جا سکتا ہے مگر ایسے مراثی پر وہ اجزائے ترکیبی قطعی صادق نہیں آسکتے جو کربلائی مراثی میں ترتیب دئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اجزاء کی دو ترکیبوں کا پایا جانا نہ صرف قانونی بلکہ رسمی حیثیت کو بھی ضائع کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب یہ اجزاء اپنی ابتدا ہی سے محض ایک رسمی چیز ہے تو پھر نعت جیسے لامحدود موضوع کے لئے اجزائی تعین کا خیال چہ معنی دارد۔

نعتیہ شاعری کی ابتدا و ارتقاء

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز خلق فرمائی وہ اپنے نور سے اپنے پیارے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور خلق فرمایا۔ اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق فرمائی) اور پھر اللہ ہی نے پہلی بار آپ کی مدح و ثنا فرمائی۔ قرآن حکیم، مدح و ثنا اور اوصاف و محاسن کا لافانی مجموعہ ہے۔ مگر جہاں تک شاعری کی زبان میں مدح و نعت کا تعلق ہے۔ بعثتِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ایک ہزار سال قبل شاید سب سے پہلی بار تبع حمیری، بادشاہ یمن نے نعتیہ شاعری کی ابتدا کی اور اس کی مبارک بنیاد رکھی۔ کتب تواریخ میں منقول ہے کہ بعثتِ رسالت مآب سے ہزار سال قبل تبع حمیری بادشاہ یمن، ممالک مشرقیہ کے جائزہ و فتح کے لئے نکلا تو اس کا گذر مدینہ منورہ سے بھی ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے خود شام و عراق کی طرف روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کی روانگی کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو وہ انتقام لینے کے لئے فوراً پلٹا اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ علمائے یہود جو اس مقدس سرزمین کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے، کہنے لگے "تمہیں معلوم ہے کہ یہ پیغمبر آخرالزماں کی مقدس ہجرت گاہ ہے یہاں تمہارا یہ حکم ہرگز جاری نہ ہوگا" بادشاہ اپنے ارادے سے باز آیا۔ اس کے سینے میں عقیدت و محبت کی کرن جاگی اور اس کے ہمراہ جو چار سو یہودی علماء آئے تھے انھوں نے یہاں سے واپس جانا پسند نہ کیا اور مستقل قیام کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ بادشاہ یہاں سے روانہ ہوتا، اس نے سب کے رہنے کے لئے گھر بنوائے۔ سیم و زر اور غلام دئے اس

کے علاوہ الگ سے ایک مخصوص گھر پیغمبر آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے بھی تعمیر کرایا اور اللہ کے آخری پیغمبر کے نام ایک انتہائی عقیدت مندانہ خط لکھا جس پر سونے کی مُہر لگا کر یہودی عالم شامول کے حوالہ کیا اور یہ وصیت کی کہ اگر تجھے پیغمبر آخر الزماں کا دیدار نصیب ہو جائے تو میرا یہ خط ان کی خدمت میں حاضر کرنا ورنہ تیری اولاد میں سے جس کے زمانے میں بھی ان کا ورود ہو وہ میرا یہ خط ان کی بارگاہ میں حاضر کر دے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، جو شامول کی اکیسویں پشت سے تھے، حضرت ابو لیلیٰ کے ذریعہ وہ خط حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت مآب میں حاضر ہو کر وہ خط پیش کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا، "میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" آپ نے تین بار یہ بھی فرمایا!..... "مرحبا بالاخ الصالح"۔ بادشاہِ یمن نے اپنے خط میں جو اشعار لکھے وہ یہ ہیں ؎

شہدت علی احمد انہ : رسول من اللہ باری النسم
فلو مد عمری الی عمرہٖ : لکنت وزیراً لہ و ابن عم

(میں گواہی دیتا ہوں احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ ایسا خدا کہ وہ پیدا کرنے والا ہے آدمیوں کا، بس اگر دراز ہوتی میری عمر ان کی عمر تک تو میں ان کا وزیر ہوتا اور ابن عم)

(تفسیر ابن عباس، تاریخ امام ابن عساکر، اشرف التواریخ)

یہی دو اشعار نعتیہ شاعری کے اولین نمونے ہیں۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی اونٹنی قصوا حضرت ابو ایوب انصاری ہی کے مکان کے سامنے ٹھہری اور آپ نے اس مکان میں قیام فرمایا۔ تاریخ ابن عساکر میں اس واقعہ کا ابتدائی ذکر دوسرے انداز سے ہے۔ مگر مدینہ تشریف لانے کا واقعہ اسی طرح ہے۔

شعر و شاعری عربوں کے خمیر میں داخل تھی۔ قبل اسلام ہی گھر گھر شعری ذوق، فصاحت و بلاغت اور استعارات و تشبیہات کا چرچا تھا۔ والدۂ ماجدۂ

سرکارِ دو عالم حضرت بی بی آمنہ بھی برجستہ اشعار موزوں کرنے پر ملکہ رکھتی تھیں۔ آنحضرت کو ایام طفلی میں دائی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کرتے وقت اور ایام رضاعت کے بعد واپسی پر آپ سے دو رباعیاں منسوب ہیں۔ سپرد کرتے وقت جو دعائیہ رباعی کہی وہ یہ ہے ؎

اعیذہ باللہ ذی الجلال   من شر ما مرّ علی الجبال
حتیٰ اراہ حامل الحلال   ویفعل العرف الی الموالی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے آپ کے مُربی و سرپرست خواجہ ابو طالب نے نعتیہ اشعار کہے۔ جن کی اہمیت اگرچہ زیادہ نہیں ہے مگر اعلانِ نبوت کے بعد انھیں کے چند اشعار سے نعتیہ و مدحیہ شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔ انھیں ایام کے آس پاس باقاعدہ نعتیہ قصیدہ میمون بن قیس نے بھی لکھا۔ اللہ کے رسول جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمانے لگے تو راستے میں ام معبد نام کی ایک خاتون نے رسول خدا کو پہلی بار دیکھا تو بے حد خوش ہوئی اس نے ضیافت کی اور شاعری کی زبان میں مدح و ثنا کی۔ آپ اپنی ہجرت گاہ مدینہ منورہ (طیبہ) کی سرزمین میں داخل ہونے لگے تو مدینے کے ذرے ذرے نے پلکیں بچھائیں۔ آپ کا استقبال کیا اور بنی نجار کے سارے بچے بچیاں گلیوں میں اور عورتیں اپنی چھتوں سے مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے یہ مدحیہ نظم پڑھنے لگیں ؎

طلع البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع
جئت شرفت المدینۃ   مرحبا یا خیر داع

ہجرت کے بعد عہد نبوی میں ایک سے ایک باکمال اور قادر الکلام شاعر سامنے آئے جنہوں نے بہت تھوڑی مدت میں عربی نعتیہ شاعری کے فکر و فن اور اس کی اعتقادی تحریک کو عروج بخشا۔ رسول کریم کے خدّام شعراء میں ایک سوختہ مرد

اور عورتوں میں بارہؓ تھیں۔ مرد شعرا میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، اور حضرت زہیر بن صرمہ وغیرہم کو ممتاز حیثیت حاصل ہوئی۔ حضرت حسان کو عام طور پر شاعرِ رسول کہا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول منبر پر بیٹھا کر ان کی نعت سماعت فرماتے تھے۔ ایک بار رسول خدا نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ سے پوچھا، "اخبرنی ما الشعر یا عبد اللہ" (اے عبد اللہ مجھے بتاؤ شعر ہے کیا؟) حضرت عبد اللہ نے عرض کیا، "شئی یختلج فی صدری فینطق بہ لسانی" (کوئی چیز میرے سینے میں ہیجان پیدا کرتی ہے اور میری زبان گویا ہو جاتی ہے)..... (المجموعۃ النبہانیۃ، حصہ اول ص ۲۸)

حضرت کعب بن زہیر کو بھی بارگاہِ نبوت میں بے حد سرخ روئی حاصل ہوئی آنحضرت نے جناب کعب کا قصیدہ "بانت سعاد" سماعت فرمایا تو بہت خوش ہوئے اور اپنی ردائے مبارکہ جناب کعب کو عطا فرمائی۔ تیسرے خوش نصیب شاعر حضرت عباس بن مرداس ہیں جن کی شاعری سے خوش ہو کر اللہ کے رسول نے حُلّہ عطا فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ خلافت پر فائز ہونے کے بعد حضرت عمر بن.. عبد العزیز نے جب شعرائے اسلام کو تہنیت و مبارکباد پیش کرنے کے لئے منع کر دیا تو عدی ابن ارطاۃ جن کا حضرت عمر بہت احترام کرتے تھے آپ کے پاس آئے اور بولے، "یا امیر المومنین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد امتدح واعطیٰ وفیہ اسوۃ لکل مسلم" (اے امیر المومنین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی گئی ہے اور آپ نے اپنی مدح و ثنا کرنے والے شعرا کو انعام و اکرام سے نوازا ہے۔ آپ کی نعت ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ ہے) حضرت عمر بن عبد العزیز نے عدی ابن ارطاۃ سے پوچھا، "من امتدحہ" (وہ کون مداح رسول ہے جسے رسول نے انعامات سے نوازا)۔ عدی نے جواب دیا، "العباس بن مرداس فکساہ حلۃ" "عباس بن مرداس وہ مداح رسول ہیں جنہیں سرکار نے حلہ مرحمت فرمایا۔ (المجموعۃ النبہانیۃ، حصہ اول ص ۴۰)

شاہ مقوقش والیٔ مصر نے حضور کی خدمت میں ہدیتاً دو کنیزیں بھیجی تھیں ایک کنیز جس کا نام شیریں تھا حضور نے حسان بن ثابت کے نعتیہ اشعار سے خوش ہو کر ان کو بخش دیں۔

کسی نے حضرت حسان سے دریافت کیا، "تمہیں اس کلام کے موزوں کرنے سے کیا مرتبہ حاصل ہوا، اور تمہارے کلام کی کیا توقیر ہوئی"۔ جواب میں شاعر دربارِ رسالت نے یہ شعر پڑھا ؎

ما ان مدحت محمداً بمقالتی

ولکن مدحت مقالتی بمحمد

(میں نے اپنے کلام سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کی، بلکہ ان کے ذکر پاک سے اپنے کلام کو قابل تعریف بنایا)

(عقیل ہاشمی، ماہنامہ ہُدیٰ، ۲، ۱۹۷۶ء ص ۱۲۰)

حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا۔ جس میں حضور کے لئے "ما فی غد" کا علم ثابت کیا۔ حضور علیہ السلام نے سُنا اور اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ ان کے حق میں کلمات خیر ارشاد فرمائے اور انعام میں حُلّہ پہنایا۔ "فقال لہ خیراً وکساہ حُلّۃ"۔ صاحبِ فتح الباری امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "الاصابہ" میں قصیدہ موجود ہے۔

ایمان لانے کے بعد سواد بن قارب فرماتے ہیں۔ "میں مدینہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا" "خوش آمدید ہو تمہیں اے سواد بن قارب، قد علمنا ما جاء بک، تمہارے آنے کا سبب ہم خوب جانتے ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضور میں نے کچھ اشعار کہے ہیں، سُن لیجئے۔ چنانچہ اجازت پا کر میں نے اپنے شعر حضور کو سنائے، قال فضحک النبی صلی اللہ علیہ

وسلم حتی بدت نواجذہ" سواد ابن قارب فرماتے ہیں کہ میرے اشعار سن کر حضور مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔

(عینی شرح بخاری جلد ۱۷ ص ۵، بحوالہ مقالات کاظمی جلد اوّل مطبوعہ ۱۳۹۶ھ لاہور۔ از شاہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ)

چنانچہ ان مذکورہ شعرائے رسول کے علاوہ حضرت عائشہ، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابن عباس، ابوسفیان بن حارث، عدی ابن حاتم طائی، حمید بن ثور الہدلی، عامر بن واثلہ، ایمن بن خزیمہ، لبید بن ربیعہ، نابغہ جعدی، اعشیٰ مازنی، اعشیٰ بکر بن وائل، عبداللہ زبعری، ابوعزہ جمحی، اسد بن ابوناس، مالک ابن نمط، اُسید بن سلمیٰ، قیس ابن بجرا شجعی، عمرو بن سبیع، کلیب بن اسید اور مازن غضبوبہ طائی وغیرہم نے بھی نعتیہ شعروادب کے بہترین نقوش چھوڑے ہیں۔ اسی طرح مکہ و مدینہ، عراق و شام اور دنیا کے بیشتر مقامات میں، ہر دور میں بتدریج نعتیہ شاعری کا فروغ ہوتا رہا۔ اور ائمہ، فقہا، محدثین اصفیا، اور عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر عہد میں نعت گوئی کا فریضہ انجام دیا۔ سرسری طور پر عرض ہے کہ دوسری صدی ہجری میں امام ابوحنیفہ تیسری صدی ہجری میں امام بخاری، چوتھی صدی ہجری میں ابن درید، پانچویں صدی ہجری میں عبدالرحیم البرعی چھٹویں صدی ہجری میں شیخ عبد القادر بغدادی اور شیخ احمد کبیر رفاعی ساتویں صدی ہجری میں علامہ محمد بن سعید بوصیری، جابر الاندلسی، محمود الحلبی، ابن الفارض، شیخ یحییٰ بن یوسف الصرصری اور ابن دقیق العید، عہد رسالت کے بعد ساتویں صدی ہجری میں عربی نعتیہ شاعری کا سب سے زیادہ فروغ ہوا۔ اس عہد کے امام الشعراء علامہ بوصیری ہیں جن کا روحانی و عرفانی قصیدہ "بردہ شریف" بارگاہ نبوت میں مقبول ہوا۔ آپ نے یہ قصیدہ سرکار دوعالم کو خواب میں سنایا، اس حالت میں کہ آپ مفلوج تھے۔ قصیدہ سماعت فرمانے کے بعد

سرکار نے آپ کے مفلوج اعضا پر اپنا دست مبارک پھیرا اور جسم پر چادر ڈال دی۔ بیدار ہونے پر علامہ نے دیکھا تو پوری طرح صحت یاب ہو چکے تھے اس قصیدے کے فضائل و برکات بے شمار ہیں۔ جس۔ بھی نیک و مستحسن مقصد، غرض اور ارادے سے پڑھا جائے ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

چنانچہ اسی طرح آٹھویں صدی ہجری میں ابن خلدون، ابن سید الناس، امام تقی الدین سبکی، اور خطیب بغدادی نویں صدی ہجری میں شمس الدین نواجی اور ابن حجر مکی، دسویں صدی ہجری میں شیخ محمد البکری، گیارہویں صدی ہجری میں شمس الدین محمد صالحی، اور علامہ شہاب خفاجی مصری، بارہویں صدی ہجری میں عبداللہ شبراوی اور تیرہویں صدی ہجری میں شیخ حسین دجاجی، محمود بک، شیخ عبد الغنی نابلسی، شیخ حسین مخلوف اور علامہ یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی (سابق وزیر انصاف، بیروت) وغیرہم نے بھی اپنے اپنے عہد میں عربی نعتیہ شاعری کی خصوصی خدمات انجام دی ہیں۔ بالخصوص علامہ نبہانی صاحب تصانیف کثیرہ کے علاوہ آپ زبردست شاعر اسلام بھی تھے۔ المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ و اسماء رجالہا آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں بے شمار عربی شعراء کے نعتیہ کلام کو جمع کیا گیا ہے حضرت نبہانی کا نعتیہ دیوان "دیوان المدائح" عقیدت و محبت اور فکر و فن کا قیمتی تحفہ ہے۔

ایران میں فخر الدین اسعد گرگانی (متوفی ۴۴۶ھ) کو فارسی کا سب سے پہلا نعت گو شاعر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے اپنے عہد میں سنائی، خاقانی، نظامی، مولائے روم، عراقی، سعدی، شمس

تبریزی، جامی، عرفی، فیضی، قدسی، شوقی اور نظیری وغیرہم نے فارسی نعتیہ شاعری کی خوب زلفیں سنواریں اور ساری دنیا میں ان مذکورہ شعراء کے تصورات و خیالات، فکر و فن اور فصاحت و بلاغت کی شہرت ہوئی اور بہت سی زبانوں میں اس شاعری کے ترجمے شائع ہوئے۔ عرب و ایران کے نعتیہ شعر و سخن کی شعاع تحریک جہاں جہاں بھی گئی ان میں ہندوستان سب سے آگے رہا۔ یہاں کے بھی خاصانِ خدا، عاشقانِ رسول اور دانشوروں نے نعتیہ شاعری کو اپنا ادبی و مذہبی فریضہ سمجھا۔ اور صنف نعت کا آفتاب روشن کیا۔ گذشتہ دو سو سالوں کی اردو نعتیہ شاعری کا اتنا بڑا ذخیرہ ہوگیا کہ دنیا کی کوئی زبان مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نعت گو شعراء اور ان کے نعتیہ دواوین کا شمار کرنا مشکل ہے۔

اردو نعتیہ شاعری کا
ماضی و حال

جتنی قدیم اردو زبان ہے اتنی ہی قدیم اردو کی نعتیہ شاعری بھی ہے۔ اردو کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آئی۔ اس کے قدیمی نمونے اگرچہ آٹھویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں ملنے لگتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت مختصر ہے۔ زبان بھی صاف نہیں ہے خالص برج بھاشا کا گہرا اثر ہے۔ دکن میں اردو شاعری کی ابتدا مثنوی کی ہیئت میں ہوئی اور اکثر مثنویاں سوانحی یا توصیفی موضوع پر لکھی گئیں۔ جن کی ابتدا میں حمدیہ یا نعتیہ اور مناقبانہ اشعار کو تبرکاً شامل کیا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس کی ارتقا کافی عرصے تک سست رہی۔ تاہم حمدیہ و نعتیہ شاعری کے مزاج میں پھیلاؤ برابر ہوتا رہا۔ یہی شعری رجحان اس حقیقت کا ضامن بنا کہ نعتیہ شاعری کی صنفی حیثیت دورِ آغاز ہی سے مستحکم ہوتی رہی اور بتدریج ارتقا کی طرف گامزن رہی۔ یہ فخر و سرفرازی بھی سرزمین دکن ہی کو حاصل ہے کہ اردو نعتیہ شعر و سخن کا آغاز بھی یہیں ہوا۔ سارے قدیمی نمونے دکن ہی میں ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس نے ارتقائی مراحل بھی یہیں طے کئے جس پر باقاعدہ تحقیقی امور کی ضرورت ہے۔

قدیم ترین نمونوں کے باب میں حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ کے مرید و جانشین حضرت سید محمد حسینی الملقب بہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ (۷۲۰ تا ۸۲۵ھ) کا اسم گرامی سرِ فہرست ہے۔ تصوف و مذہب کے موضوع پر آپ نے متعدد رسائل لکھے۔ آپ کی تصنیف "معراج العاشقین"

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

زبان اردو کی اولین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ تحقیقات کے مطابق آپ کے اردو نعتیہ اشعار کو مقام اولیت حاصل ہے۔ کچھ کلام مثلث میں لکھا ہے۔ دو بند مندرجہ ذیل ہیں ؎

لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جیسے مرسل ساجد مسجود ہو آئے
امتِ رحمت، بخشش ہدایت تشریف لائے

واحد اپنی آپ تھا، اپیں آپ نبھایا
پر کہ جلوے کا اپنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نوں بنایا

حضرت بندہ نواز کے فرزند حضرت سید محمد اکبر حسینی (متوفی ۸۲۴ھ) کے بھی کچھ نعتیہ اشعار و مناقب ملتے ہیں۔ مولوی عبدالحق کی تصنیف "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" کے مطالعہ سے بھی ابتدائی نعت کے بعض حوالوں کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت سید برہان الدین المعروف بہ حضرت قطب عالم (۷۹۰ تا ۸۵۰ھ) کے ایک نعتیہ مصرعہ کو قدیم نمونہ تصور کیا جاتا ہے جس کی بابت گمانِ غالب ہے کہ یہ مصرع نویں صدی ہجری کے آغاز یا وسط ہی میں کہا گیا ہوگا۔ اس لئے کہ بوقت ولادت آٹھویں صدی ہجری کے اختتام کو صرف دس سال باقی رہ گئے تھے۔ مصرع یہ ہے ؎

محمد ﷺ پر میں کھڑیا سائیں پریم چکھائے

یہ مصرع "ملفوظات جمعات شاہی" میں درج ہے۔ جسے حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد المعروف بہ شاہ قطب عالم کے فرزند و خلیفہ کے ایک مُرید نے ترتیب دیا تھا۔ آپ ہم عصر شاعر و صوفی حضرت شیخ بہاءالدین باجن (۷۹۰ تا ۹۱۲ھ) ہیں جو شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی کتاب "خزانۂ رحمت" ہے جو مرشد کے ملفوظات و ارشاد پر مشتمل ہے۔ پروفیسر

شیرانی نے ان کے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔ جن میں دو اشعار نعت کے بھی ہیں۔

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
باجن چھوڑا وار کر سر آگیں دھریا
روزے دھر دھر نماز گذاری دین فرض زکواۃ
بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگیں مکھ میں بات

اسی آٹھویں صدی ہجری میں اور بھی کئی اہم شعراء گذرے ہیں جنھوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں نعتیہ و صوفیانہ شاعری کے نقوش چھوڑے ہیں۔ بہمنی حکومت کے مشہور شاعر فخر دین نظامی کی تصنیف مثنوی "پدم راؤ کدم" ہے جو غالباً ۸۲۵ھ سے ۸۳۵ھ کے درمیان لکھی گئی ہے۔ اصناف اردو ادب (مطبوعہ جدید ۱۹۸۹ء) کے مؤلفین کی اطلاع کے مطابق اس کا ایک نسخہ "انجمن اردو پاکستان" میں موجود ہے۔ اس مثنوی کو اردو کی قدیم مثنوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس میں دکنی زبان کا غلبہ ہے۔ مثنوی کی ابتدا میں چند نعتیہ اشعار اس طرح ہیں ؎

تمہیں ایک ساچا گسائیں امر — مرے دوئے تیں جگ توڑا دکر
امولک مکٹ سیس مینار کا — کرے کام بنر دھار کرتار کا
محمد بڑا دارت جگ تھا — کہ شجراجرن رائے جگ مگ تھا
نبی یار سے پائے تھے جھار جھار — بچارن نبی کام کرتے بچار

شاہ میراں جی کے لقب "شمس العشاق" سے سن و سال ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء نکلتا ہے آپ مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ کچھ برسوں بعد ہندوستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی کے دست حق پر بیعت کی۔ آپ نے کئی مثنویاں لکھیں جن کے نام "خوش نامہ، خوش نغز، مغز مرغوب اور شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق" ہے۔ شہادت الحقیقت کے آغاز میں حمدیہ اشعار کے بعد چند اشعار نعت کے بھی ہیں۔ نسیم قریشی کے شمار کے مطابق اس مثنوی میں پانچ ہزار چھ سو بیس اشعار ہیں۔ چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

محمد نبی نام تیرا — اس پہ ایمان میرا
جو اس کے رُخ آوے — سو تیرا درس پاوے
اس جے کوئی نخاکے — نے دوزخ مان راکے

دکن میں تغلق حکومت کے بعد ۱۳۴۷ء/۷۴۸ھ میں آزاد بہمنی سلطنت قائم ہوئی جو تقریباً پونے دو سو سال تک قائم رہی۔ اس درمیان اردو تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کا کام باقاعدہ شروع ہوا۔ شیخ عین الدین گنج علم دہلوی حضرت سید محمد گیسو دراز، سید عبداللہ، شاہ میراں اور شاہ برہان الدین جانم وغیرہم جیسے بلند پایہ حضرات اسی عہد کے تھے۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد پھر پانچ سلطنتیں قائم ہوئیں جن کی وضاحت حکیم شمس اللہ قادری اس طرح کرتے ہیں۔

۱۔	سلطنت عمادشاہی	۱۴۸۹ء/۸۹۵ھ	تا ۱۵۷۵ء/۸۸۳ھ	دارالحکومت	برار
۲۔	سلطنت بریدشاہی	۱۴۸۷ء/۸۹۳ھ	تا ۱۶۲۴ء/۱۰۳۲ھ	"	محمدآباد بیدر
۳۔	سلطنت نظام شاہی	۱۴۹۰ء/۸۹۶ھ	تا ۱۶۳۲ء/۱۰۴۲ھ	"	احمدنگر
۴۔	سلطنت عادل شاہی	۱۴۸۹ء/۸۹۵ھ	تا ۱۶۸۶ء/۱۰۹۸ھ	"	بیجاپور
۵۔	سلطنت قطب شاہی	۱۵۱۲ء/۹۱۸ھ	تا ۱۶۸۷ء/۱۰۹۹ء	"	گولکنڈہ

(جرنل خدابخش لائبریری، نمبر ۱۳، ۱۴، ۱۵، مطبوعہ ۱۹۸۰ء پٹنہ)

نظام شاہی، عادل شاہی، اور قطب شاہی سلطنتوں میں اردو تصنیف و تالیف اور شعر و سخن کو خصوصیت کے ساتھ تقویت پہنچی اور زبان و ادب کو تازہ ارتقائی استحکام نصیب ہوا۔ اسی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں سید محمد اشرف بیابانی نے ۹۰۹ھ میں ایک مثنوی "نو سرہار" لکھی جس کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو" حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ فیروز کی مثنوی "توصیف نامہ" (۹۷۲ھ) اور افضل کی مثنوی "محی الدین نامہ" (۱۰۵۰ھ) بھی اسی لائبریری

میں موجود ہے۔ مثنوی "نو سرہار" سانحۂ کربلا کے موضوع پر ہے۔ جس کے آغاز میں نعت کے چند اشعار اس طرح ہیں ؎

نبی محمد حق رسول — کشا جن پہ فقیر قبول
دونوں جگ کیرانہ در بر — جن کو چاروں یار وزیر
ہجرت نبی، نو سو نو — کہیا اشرف سدیو

میاں خوب محمد چشتی گجراتی (۹۳۶ھ تا ۱۰۲۳ھ) کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ صوفی باصفا اور صاحب تصانیف تھے۔ آپ کے نعتیہ اشعار بھی قدیم اردو شاعری کی نشاندہی کرتے ہیں۔ رسالہ "بھاؤ بھید" میں ان کا ایک دوہرہ مندرجہ ذیل ہے ؎

حمد خدا کی خوب کر، کہہ صلواۃ رسول
پچھیں صفت شعر کی کہے تو ہوئے قبول

آپ کی مثنوی "خوب ترنگ" اور "امواج خوبی" نے خاصی شہرت پائی۔ ان دونوں مثنویوں میں نعتیہ اشعار کی کافی تعداد ہے۔ دسویں صدی ہجری کے آخری یادگاروں میں اہم صوفی شاعر حضرت شاہ شمس العشاق کے فرزند و خلیفہ حضرت شاہ برہان الدین جانم کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں، "اپنے وقت کے بڑے عارف و صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سن تصنیف انھوں نے خود ۱۵۸۲ء — ۹۹۰ھ بتایا ہے (اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ص۵۶) مگر عبدالقادر سروری اپنی کتاب میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ میراں جی کے فرزند و خلیفہ شاہ برہان الدین جانم (وفات ۹۹۹ھ) بھی اردو میں کئی رسالوں کے مصنف ہیں۔ یہ رسالے زیادہ تر منظوم مثنویاں ہیں۔ طویل نظموں کے لئے آپ نے فارسی کی بھی بحریں استعمال کی ہیں۔ اس طرز کی اولین اردو نظمیں سب سے پہلے آپ ہی

کے کلام میں دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک مخطوطہ جو نظم و نثر کے چند رسالوں پر مشتمل ہے، کتب خانہ جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ ذیل میں اسی نسخے سے مثنوی اول کے حصۂ حمد کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے (جس میں نعت کا عنصر بھی موجود ہے) ؎

الٰہی کلیاں کھول حاجات کہاں   بر آویں مراد اس مناجات کہاں
ترا ناؤ کیلی ہے ہر گنج کا   ترا رحم مرہم ہر ایک رنج کا
کیا کوچہ سرمست اس انٹھار سوں   کہ جن نے محمد کے گلزار کوں

(اردو مثنوی کا ارتقا، مطبوعہ ۱۹۶۹ء علی گڑھ)

اصنافِ ادب اردو مطبوعہ ۱۹۸۹ء دہلی، میں حضرت جانم کی جن تصانیف کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔ مثنوی ارشاد نامہ، مثنوی وصیت الہادی مثنوی حجت البقا، مثنوی نسیم الکلام اور مثنوی منفعت الایمان (۱۵ھ) گویا اخلاقی و مذہبی مثنوی کے فروغ و ارتقا میں آپ نے بڑے خصوصی اور غیر معمولی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دسویں صدی کے دوسرے اہم شعرا میں ملک محمد جائسی اور علی جیو گامدھنی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ جائسی کی مشہور تصنیف "پدماوت" اخلاقی شاعری سے مزین ہے۔ اسی عہد کے آس پاس اور بھی کئی اہم مثنویاں لکھی گئی ہیں جن میں نعتیہ اشعار کا شاید پتہ نہیں چلتا۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اردو مثنوی کا فروغ و ارتقا ہمیشہ اخلاقی اور صالح تصورات و تخیلات اور متصوفانہ نظریات کی روشنی میں ہوتا رہا۔

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر اجودھنی علیہ الرحمہ (۵۶۹ھ تا ۶۶۴ھ) کے رسالہ "اسرارالوجود" (مطبوعہ جدید ۱۹۸۹ء، اجمیر) کے تعارف نامہ میں الحاج میر بہادر علی حیدر آبادی نے بانی فرقہ سکھ گرو نانک جی کا ایک نعتیہ دوہا نقل کیا ہے۔ جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کو کائنات کے ہر ذرے میں ثابت کیا ہے۔ اصول ریاضی کے متعلق یہ دوہا بھی اردو

نعتیہ شاعری کے قدیم نمونوں میں سے ہے ؎

نام لو جس دستو کا تم اس کو چوگنی بھاؤ
دو رسا کے پنج گن کیجو بیس سے بھاگ بھاؤ
باقی بچے کو نو گنی کیجو اس میں دو ملاؤ
نانک ہر شے ریت میں نام محمد پاؤ

مثال کے طور پر اس میں جو قاعدہ پیش کیا گیا ہے اس کے تحت "صولت حسین" کے اعداد لئے جاتے ہیں جو بحساب ابجد ۶۵۴ ہوتے ہیں۔ اب ۶۵۴ × ۴
= ۲۶۱۶ + ۲ = ۲۶۱۸ × ۵ = ۱۳۰۹۰ ÷ ۲۰ = (۶۵۴) اور باقی ۱۰ × ۹
= ۹۰ + ۲ = ۹۲، اسم محمد کے اعداد۔

گیارہویں صدی ہجری سے اردو زبان و ادب کے فروغ و تبلیغ کو ایک نئی آنچ ملنا شروع ہوئی۔ زبان بھی صاف ہوتی گئی اور نعتیہ شعر و سخن میں تیزی بھی آئی۔ دسویں صدی کے اوائل سے بارہویں صدی ہجری کے درمیان محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، ملاوجہی، ملاغواصی، معظم، بلاقی، مختار، فتاحی، غواصی، اور ابن نشاطی وغیرہم کے اسمار قابل قدر اور حامل اہمیت ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۷ھ تا ۱۰۲۱ھ) نہ صرف گولکنڈہ کا بادشاہ تھا بلکہ بلند پایہ ادیب و شاعر اور شاعر نواز بھی تھا اس کی سرپرستی و تعاون میں اردو شعر و ادب اور تصنیف و تالیف کو خوب فروغ ملا۔ اس کے اوّلین شعری نمونوں سے متعلق مؤرخ حکیم عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں، "محمد قلی بھی شاعر تھا۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتا تھا۔ اس کا ایک مکمل دیوان، نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ضخیم کلیاتِ اصناف سخن سے مملو موجود ہے۔ جو کتب شاہی خاندان کا شاہی نسخہ ہے۔ کلام کا نمونہ اس لحاظ سے دیکھو کہ اردو کلام کا سب سے قدیم تر نمونہ جو ہم تک پہنچ سکا ہے وہ یہی ہے۔ اس سے پہلے کا کوئی شعر کم از کم میری نظر

قاصر سے نہیں گذرا۔

پیاسا ہوں حضرت کے ہت آب کوثر
توشاہاں اُپر مج کلس کہ بنایا
سدا تو مدحِ نبی و علی کہ کہتا ہے
معانی شعر ترا لکھے ہیں دست بدست
آیت قرآں نازل جیوں ہوا حضرت کے تئیں
مرتضیٰ ہیں بس دو جگ میں جیوں محمد بے نظیر

(گلِ رعنا، مطبوعہ سنہ ۱۳۴۰ھ لکھنؤ)

اس طرح قلی قطب شاہ کا اوّلین اردو شعری شعری نمونہ نعت و مدح ہی کی صورت میں ملتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اس کے علاوہ یہی وہ شاعر ہے جس نے اردو قصیدے کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس کی متعدد نظمیں قصیدے کی ہیئت و شرط میں ہیں جو نہ صرف قدیمی بلکہ ابتدائی کارناموں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے قلی شاہ کی ادبی و شعری حیثیت بہت نمایاں اور تاریخ ساز ہے۔

ملا وجہی، قطب شاہی دور کا سب سے باکمال اور دیدہ ور شاعر و ادیب تھا۔ اس نے کئی سلاطین کا زمانہ دیکھا تھا۔ تصوف کے رموز و مسائل پر اس کی تصنیف "سب رس" (۱۶۳۴ء) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کی خواہش پر لکھی تھی۔ قطب شاہ کی داستان عشق سے متعلق تقریباً دو ہزار اشعار پر مشتمل وجہی کی دوسری مشہور تصنیف "قطب مشتری" (۱۶۰۹ء) ہے جس کی ابتدا میں حمد و نعت اور مناقب بھی ہیں۔ نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

محمد نام ناتُوں تیرا ہے — عرش کے اپر پانوں تیرا ہے
کہ چودہ ملک کا توں سلطان ہے — علی سا تیرے گھر میں پردھان ہے

اسی ہو ایک لاکھ پیغمبر آئے — ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
صفت کر توں معراج کی رات کا — کہ لامکاں لگ تھے چاندا کرو لگ تھے سوا
نور پیدا ہوا یو ہویدا ہوئے — اول یو نہ تھے تجھے تے پیدا ہوئے

وجہی نے معراج نامہ بھی لکھا ہے۔ یوں بھی "معراج نامہ، نور نامہ اور مولود نامہ" وغیرہا لکھنے کا رواج وجہی اور نصرتی ہی کے عہد سے شروع ہوا۔ عادل شاہی دور کے شاعر مولانا نصرتی کو "ملک الشعراء" کہا جاتا تھا۔

مولوی عبدالحق کی تصنیف میں سید شاہ ہاشم علوی (متوفی ۱۶۴۹ء / ۱۰۵۹ھ) کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جن کا ایک نعتیہ بند یہ ہے ؎

جاے کہو قل آئے پیا — سکتا جیو دھسکتا ہیا
لا اللہ نفی الا اللہ اثبات — محمد برحق بلا میم احمد ذات

ابتدائی دور میں جہاں تک معراج نامہ، مولود نامہ، نور نامہ اور وفات نامہ وغیرہا لکھنے کا تعلق ہے، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق دانا پوری نے اپنی کتاب میں معراج ناموں کی ترتیب اس طرح دی ہے ــــ پہلا معراج نامہ، سید میراں جی ہاشمی بیجاپوری کا؛ دوسرا اعظم دکنی (۱۱۲۰ھ) کا؛ تیسرا محمد بن مجتبیٰ مہدی کا؛ چوتھا شاہ کمال الدین کا؛ پانچواں سید بلاقی حیدرآبادی؛ چھٹا معظم بیجاپوری کا؛ ساتواں مختار کا؛ آٹھواں لکھمی نرائن شفیق کا؛ نواں شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری کا (متوفی ۱۱۸۲ھ) کا؛ اور گیارہویں صدی ہجری کے اختتام کا شاعر فتاحی ہے جس کے مولود نامے میں تین ہزار سے زاید اشعار ہیں۔ مختار کا مولود نامہ، علی بخش دریا کا، وفات نامہ اور ولی کا وفات نامہ جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — عشق کے فرمان کا طغریٰ قدیم

کافی مشہور رہا۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں نوازش علی خاں شیدا دکنی کی تصنیف "اعجاز ثمری" اور محمد باقر آگاہ کی "ہشت بہشت" "مدحِ رسالت

مآب میں مشہور ہیں۔ (اردو کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ ۱۹۷۴ء، پٹنہ)

قرآن حکیم ایک نثری صحیفہ ہے اس کی کسی عبارت یا کسی بھی حرف و لفظ کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں۔ بہت سے مقامات پر اگرچہ شعری رنگ و آہنگ۔ اور قوافی کا پتہ چلتا ہے جو قرآن حکیم کا اپنا مخصوص طرز ہے۔ مگر اس کو شاعری سے تعبیر کرنا یا شاعری سمجھنا کفر و گمرہی اور خلاف حقیقت ہے۔ چنانچہ شاعری نہ ماننے کے باوجود بہت سے شعرا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو مصرع بنا دینے سے باز نہ آئے اور اس جدّت کا انکشاف کر ہی بیٹھے۔ پروفیسر حامد حسن قادری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں، "بسم اللہ شریف کو شاعروں نے مصرع مانا ہے اور اس کے لئے بحر سریع تجویز کی ہے جس کا وزن یہ ہے۔ مفتعلن مفتعلن فاعلات" قادری صاحب نے اپنے بیاض میں اس وزن پر ۳۳ شعرائے عجم و ہند کے ساٹھ مصرعے یکجا کئے ہیں۔ جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نظامی گنجوی:-

ہست کلید در گنج حکیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مخزن الاسرار)

۲۔ معراج الدین وآصف:-

ہست صلائے پئے خوان کریم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (تحفۃ الاحرار)

۳۔ امیر خسرو:-

خطبۂ قدس ست بملک قدیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مطلع الانوار)

۴۔ عرفی شیرازی:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ موج نخست است ز بحر قدیم (مجمع الافکار)

۵۔ فیضی:-

گنج ازل راست طلسم قدیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مرکز الادوار)

(عالمگیر لاہور، بحوالہ سہ ماہی تصوف، قادری نمبر حصۂ اول مطبوعہ کراچی ۱۹۸۴ء)

ملا غواصی، سلطان عبداللہ قطب شاہ کا ہم عصر تھا۔ اس کی دو عشقیہ مثنویاں

"سیف الملوک اور بدیع الجمال" (۱۰۳۵ھ) کو شہرت حاصل ہے جو ضیا نخشبی کی فارسی مثنوی "طوطی نامہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس مثنوی میں نعتیہ اشعار اور مناقب بھی ہیں۔ نعت کے چند اشعار ؎

سچا توں محمد سچا مصطفٰے ۔ سچا توں احمد سچا مرتضٰے
توں اول توں آخر توں ہی ہے امیر ۔ تو ظاہر تو باطن نبی ہے بے نظیر
تمہیں ہاشمی ہو، قریشی رسول ۔ حکم توں کہے سو کرنے اب قبول

ابن نشاطی بھی سلطان عبداللہ کا درباری شاعر تھا۔ اس کی مشہور مثنوی کا نام "پھول بن" (۱۶۵۵ء) ہے جو زبیری کی فارسی تصنیف "بساتین السلاطین" کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

محمد پیشوا ہے سروراں کا ۔ رہے سرخیل سب پیغمبراں کا
محمد تو نبی ہے آج برحق ۔ قمر کوں یک اشارت بس کیا شق
تری تعریف کا اونچا ہے پایا ۔ خدا قرآن میں تجھ کو سراہا
اگر ہوتا نہ توں، آدم نہ ہوتا ۔ نہ آدم بلکہ یوں عالم نہ ہوتا
ہے تجھ مکھ نور کا دیوانہ جبریل ۔ رہے تج شمع کا پروانہ جبریل
شبِ معراج ہے تجھ مُو سوں روشن ۔ فلک کا سبز ہے تجھ شہ سوں گلشن

ملک الشعراء ملا نصرتی (متوفی ۱۶۸۴ء) کی تصنیف "علی نامہ" جس میں عادل شاہ ثانی کے فتوحات کا ذکر ہے۔ دوسری مثنوی "گلدستۂ عشق" داستان حسن و جمال سے متعلق ہے اور تیسری مثنوی "شاہنامہ" ہے جو معراج کے موضوع پر خصوصیت کا حامل ہے۔ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ؎

یوں نعت سرور عالم مصطفٰے کا ہے
کھلایا گلشن ہستی ازل جس نور کا بانی

رہے ناموس سیّد المرسلین ۔ کہ آخر ہے وے شافع المذنبین
ادا ہوئے نہ حمد احد کی بچن ۔ نہ رکھے جنگ احمد میں فن

عجب آفرینش کے دریا کا در — کہ جس نور کی بحر ہستی ہے پر

اسی عہد میں دکن کے مرزا نام کے بھی ایک شاعر ہیں۔ جن کی شاعری صرف نعت و منقبت اور مراثی پر مشتمل ہے۔ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ شاہ امین الدین اعلیٰ (متوفی ۱۶۷۵ء/۱۰۸۶ھ) کا ایک نعتیہ دوہرہ یہ ہے ؎

نبی پرگٹ ذات ظہور ہے — معشوق حق اللہ نورٌ علیٰ نور ہے

حقیقت حقائق ذات کمال ہے — صورت معنیٰ ذوالجلال ہے

سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ تو کر دیا مگر دکن کی ادبی و شعری چمک دمک میں کوئی کمی نہ آئی۔ پرانے چراغ سے نئے نئے چراغ بدستور جلتے رہے۔ اس عہد کے اکثر شعراء کے یہاں اگرچہ نعتیہ اشعار کی تعداد کم نظر آتی ہے مگر ولی ویلوری دکنی (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) اس مشترکہ صدی کا ایک ایسا باوقار اور صاحب دیوان شاعر گزرا ہے جس نے متعدد ہیئتوں اور خاصی تعداد میں نعتیہ شاعری کی۔ اس طرح اولین صاحب دیوان شاعر فائز دہلوی اور ولی کے عہد سے نہ صرف صنف نعت بلکہ تمام اردو شعر و ادب کو نیا حوصلہ ملا اور ارتقائی صورت حال میں نکھار پیدا ہوا۔ ولی کی ایک نعتیہ غزل کے چند اشعار اس طرح ہیں ؎

آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں — تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا

کہئے کیا تعریف دل ہے بے نظیر — حرف حرف اس مخزن اسرار کا

اے ولی ہونا سرِجن پر نثار — مدعا ہے چشم گوہر بار کا

سراج اورنگ آبادی کا مقام بھی بہت نمایاں ہے اور ان کی شعری خدمات مسلم ہے۔ شاعری میں عارفانہ و صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ ایک نعتیہ مثنوی کے کچھ اشعار یہ ہیں ؎

رسولِ خدا سید المرسلین — قیامت کے دن شافع المذنبین

عجب روز محشر کا سردار ہے — صفِ اصفیا دو سالار ہے

نبوت کی مسند کا ہے جانشیں — کیا جس نے تعظیم روح الامیں

جگت میں رُوئے سلطنت ہے مدام — جماعت میں ہے انبیا کا امام

حبیب خدا، والیٔ روزگار — دو عالم کی اقلیم کا تاجدار

عجب ذاتِ مقبول کونین ہے — کہ کونین کا قرۃ العین ہے

مرزا مظہر جان جاناں اکبر آبادی (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۹۵ھ) اگرچہ بڑے باکمال صوفی شاعر گزرے ہیں۔ مگر ان کے شعری سرمایہ میں نعتیہ اشعار واضح نہیں ہیں۔ شاہ رکن الدین عشق علیہ الرحمہ (۱۱۲۷ھ تا ۱۲۰۳ھ) سلسلۂ ابوالعلائیہ کے بڑے بافیض بزرگ و صوفی تھے۔ "اردو میں صوفیانہ شاعری" (مطبوعہ ۱۹۸۴ء الٰہ آباد) میں آپ کا ایک نعتیہ دوہرہ اس طرح منقول ہے ؎

نور احمد نے جب تجلی کی — سر بسر خلق کو یہ سود ہوا

عشق عاشق ہوا اسی کوں دیکھ — دل نالاں بزنگ عود ہوا

اردو شعر و ادب کی خدمات صوبۂ بہار میں بھی عہد قدیم ہی سے انجام دی جاتی رہی ہیں۔ بارہویں صدی ہجری کے وسط سے نمونۂ کلام کا پتہ چلتا ہے۔ "ادب نبوی" کے عنوان سے سید شمیم احمد لکھتے ہیں، "اردو کی قدیم ترین نعتوں میں شاہ وجیدالحق ابدآل کی نعت بہت مؤثر اور اس وقت کے لحاظ سے نئے طرز کی ہے۔ شاہ ابدآل، پھلواری شریف (ضلع پٹنہ) کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں وصال پایا۔ نعت یہ ہے ؎

دو جگ کے سردار محمد — نبیوں کے سالار محمد

امت کے غم خوار محمد — سب کے پالنہار محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

میں ہوں بہت ناچار محمد — ناؤ پھنسی منجدھار محمد

کوئی کھیون ہار محمد — تم ہی اتارو پار محمد

صلی اللہ علیہ وسلم

دلبر اور دلدار محمدؐ   جی چاہے دیدار محمدؐ
ایک نظر اک بار محمدؐ   ہو جائے سب کار محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم

(ماہنامہ نقوش، کراچی، رسول نمبر ۱۹۸۴ء)

حضرت شاہ نیاز بریلوی (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۵۰ھ) سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ و صوفی تھے۔ شعر و سخن میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ شاعری میں صوفیانہ و عارفانہ رنگ غالب ہے۔ حمد و نعت سے وابستہ آپ کا ایک مشترکہ رنگ یہ ہے ؎

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا
از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا
اسرار احمدی سے آگاہ ہو سو جانے
تو نور ہر بشر ہے ہر سنگ طور تیرا

الغرض سوداؔ کے عہد تک پہونچتے پہونچتے نعت گوئی کی فضا کافی حد تک ہموار ہو چکی تھی اور شعراء عام طور پر نعتیہ شاعری کی فضیلت سے باریاب ہونے لگے تھے۔ خود سوداؔ نے ۴۸ اشعار کا ایک معرکہ آرا نعتیہ قصیدہ لکھا جس کی نوعیت اپنے عہد کے اعتبار سے نہ صرف انفرادی ہے بلکہ یہ قصیدہ نعتیہ شعر و ادب کو ایک نئی تحریک بھی عطا کرتا ہے۔ لیکن ارتقائی تسلسل کے باوجود عہد سوداؔ تک اردو کا شاید ایک بھی ایسا شاعر نہیں ملتا جس نے صرف نعتِ رسول کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہو۔ اور اس کا بیاض صرف نعتیہ کلام پر مشتمل ہو۔ اس فضیلت کا آغاز تیرہویں صدی ہجری سے ہوا۔ جب مجاہد جنگ آزادی مولانا شاہ غلام امام شہید (۱۲۱۱ھ تا ۱۲۹۳ھ) تلمیذ مصحفی نے پہلی بار اپنی شاعری کا موضوع صرف مدح و نعت کو بنایا اور تاریخ سازی کا فریضہ انجام

دیتے ہوئے دنیائے شعر و ادب کی سرزمین پر باقاعدہ صنف نعت اور فن نعت کا پرچم نصب کیا۔ "مولود شہید اور قصائد نعتیہ" حضرت شہیدؔ کی وہ اولین یادگاریں ہیں جن پر زبان اردو رہتی دنیا تک فخر کرتی رہے گی۔ آپ کے ہم عصروں میں کرامت علی شہیدیؔ، کافیؔ مرادآبادی، لطف علی لطفؔ بریلوی اور شاہ ابرارؔ عالم ہسوی فتحپوری بہت حیثیت کے حامل گذرے ہیں۔ شہیدیؔ (متوفی ۱۲۵۶ھ) کی شاعری کا موضوع اگرچہ مدح و نعت نہ تھا مگر ان کے ایک نعتیہ قصیدے نے خوب شہرت پائی۔ اس کا کوئی اب تک بدل نہ پیش کر سکا۔ اساتذہ نے خراج عقیدت پیش کئے اور تضامین لکھنے کی سعادت حاصل کی۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے ؎

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمدؐ کا

حضرت کافیؔ مرادآبادی (متوفی ۱۸۵۸ء) جنگ آزادی کے بڑے بیباک مجاہد تھے۔ عاشق رسول ایسے کہ فتوئے جہاد صادر کرنے کی بنیاد پر سولی پر چڑھا دئیے گئے مگر اس وقت بھی حبیب خدا کی نعت زبان پر جاری رہی۔ ساری عمر نعت کے سوا کچھ نہ کہا۔ نعتیہ مثنویاں کثرت سے لکھیں۔ شاہ احمد رضا بریلوی نے آپ کی نعت گوئی کی تعریف کی ہے۔ لطفؔ بریلوی (متوفی ۱۸۶۹ء) کا بھی سارا شعری سرمایہ نعت و ثنا پر مشتمل ہے۔ نعتِ رسول میں دو ضخیم دیوان چھوڑے ایک ضائع ہو گیا۔ دوسرا محفوظ و مطبوع ہے۔ غزل کی ہیئت میں جس قدر کثرت سے نعتیہ کلام حضرت لطفؔ نے کہے ان کے عہد میں کوئی نہ کہہ پایا۔ بریلی کی شعری تاریخ میں انھیں "باوا آدم" سے خطاب کیا جاتا ہے۔ تیرہویں صدی ہجری کے بالکل آخری دور کے خالص نعت گو شاعر شاہ ابرار عالم صابری ہسوی فتحپوری بھی بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ "دیوان ابرار در مدح احمد مختار" (مطبوعہ ۱۳۱۸ھ) میں ۱۳۵ سے زاید نعتیہ غزلیں ہیں۔ ان کے علاوہ

نعتیہ مخمس، مسدس اور تضامین کی بھی خاصی تعداد ہے۔ ہر کلام کے کنارے بحر کی تفصیل اور اس کی تقطیع بھی کر دی گئی ہے جس سے شاعر کے فن عروض کی گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسی خوبی شاید کسی بھی دیوان نعتیہ میں نظر نہیں آتی۔ ان شعرائے کرام کی مرکزی توجہ، بنیادی رجحان اور منصوبہ بند ہمدردی نے کچھ ایسی مستحکم و خوش گوار فضا بنائی اور اس روحانی و عرفانی شاعری میں ایسی جِلا پیدا کی کہ بتدریج نعتیہ شاعری اردو زبان پر چھاتی چلی گئی اور صرف نعتیہ شعر و ادب کو کلیجے سے لگانے والے شعرا اپنے تمام شعری سرمایہ کو ذکرِ رسولِ رحمت مآب پر نچھاور کرتے رہے۔ مرزا مظہر جان جاناں، نیاز بریلوی، اکبر داناپوری، آسی غازیپوری، نثار اکبرآبادی[1]، بے نظیر شاہ وارثی، تلمیذ نثار اکبرآبادی واحد الٰہ آبادی، وحید الٰہ آبادی، محسن داناپوری (فرزند و خلیفہ شاہ اکبر داناپوری) نیر اسلام پوری، قانی گورکھپوری اور عطا بہاری وغیرہم کے ہاں اگرچہ نعت کا سلسلہ دراز نظر نہیں آتا، تاہم ان حضرات نے فروغِ نعت کو تقویت پہنچائی ہے۔ الغرض تیرہویں صدی ہجری کے آغاز سے تاہنوز جس کثرت سے اور تسلسل کے ساتھ نعتیہ شاعری کی رفتار جاری ہے دوسری کسی شاعری کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ نعت گوئی کی عبادت سے نہ صرف مسلم شعرا بلکہ اردو فارسی کے تمام غیر مسلم شعرا بھی عشقِ رسالت سے وابستہ رہے جنہوں نے بڑے نمایاں اور فراخدلانہ طور پر اظہارِ عقیدت کے پیکر تراشے ہیں اور نعتیہ شعر و ادب کے فروغ میں کارہائے خصوصی انجام دیئے۔ گزشتہ ہندو شعرا میں مہاراجہ کرشن پرشاد شاد، چودھری دیورام کوثری دھرم پال گپتا، بانکے لال بہاری، شیام سندر، شنکر لال ساقی، عرش ملیسانی اور تمنا الٰہ آبادی تلمیذ نوح ناروی وغیرہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نعتیہ شاعری کی بابت غیر مسلم شعرا ہر دور میں خدمات انجام دیتے رہے۔ بلکہ یہ بڑی اہمیت کی بات ہے کہ زبان فارسی و اردو کا جو بھی غیر مسلم شاعر گزرا ہے یا موجود ہے اس نے باقاعدہ نعتیہ شاعری کا کارنامہ ضرور انجام دیا ہے۔ یا پھر نعت کے چند کلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے

●● ———

[1] نثار اکبرآبادی کی حیات و شاعری کے موضوع پر (برائے پی ایچ۔ ڈی ایوارڈ) جناب ولی الحق ابدالی، اسلام پور، ضلع نالندہ، بہار نے تحقیقی مقالہ لکھنے کا شرف حاصل کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخابِ
قصائدِ نعتیہ

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

مرزا محمد رفیع سودا

ہوا جب کفر ثابت، ہے وہ تمغائے مسلمانی — نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی

ہنر پیدا کر اوّل، ترک کیجو تب لباس اپنا — نہ ہو جوں تیغ بے جوہر، وگرنہ ننگِ عریانی

فراہم زر کا کرنا، باعثِ اندوہِ دل ہووے — نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل، جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی؟ — نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروجِ دستِ ہمت کو نہیں ہے قدرِ بیش و کم — سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے کلفتِ ایام ضائع قدر مردوں کی — ہوئی جب تیغ زنگ آلود، کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں، چاہے گر بہت جینا — ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی، جدائی سے ہو عاشق کو — بہت رہتا ہے نالاں فصلِ گل میں مرغِ بستانی

موقر جان اربابِ ہنر کو، بے لباسی میں — کہ ہو جو تیغ با جوہر، اسے عزت ہے عریانی

بہ رنگِ کوہ رہ خاموش، حرفِ ناسزا سن کر — کہ تا بد گو، صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے بہ رنگِ شمع باد و آتش سے — موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمنِ جانی

نہیں غیر از ہوا کوئی، ترقی بخش آتش کا — نفس جب تنگ ہے، داغِ دل سے فرصت کیوں کہ ہے پانی؟

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو — کہ زیبِ ترکِ چشمِ یار، سرمہ ہے صفاہانی

طلوعِ مہر ہو پامال حیرت آسماں اوپر — لکھوں گا پھر غزل کر اس زمیں میں مطلعِ ثانی

مطلع ثانی

عجب ناداں ہیں وہ، جن کو ہے عُجبِ تاجِ سلطانی — فلک، بالِ ہما کو، پل میں سونپے ہے مگس رانی

نہیں معلوم، ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا! — کہ چشمِ نقشِ پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ، دل تیرا نہ نرما دے، تو یا قسمت! — وگرنہ دیکھ آئینہ، کہ پتھر ہو گئے پانی

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا — کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے، ان کی پریشانی

زمانہ میں نہیں کھلتا ہے کارِ بستہ حیراں ہوں — گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیونکر بہ آسانی

جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کاہیدہ اتنا ہوں — کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی

نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی اندوہ روزی نے — مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربطِ پیشانی

سیہ بختی میں اے سودا! نہیں طولِ امل لازم — نمط خامہ کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم! کب تک یہ بیاں ہوگا! — ادائے چینِ پیشانی و لطفِ زلفِ طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو، اب ملنے سے خوباں کے — نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل، ان کی چشم و زلف کے اوپر — مگر بیمار ہووے ضعب یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے — برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی

زہے دینِ محمدؐ! پیروی میں اس کی جو ہو دیں — زہے! خاکِ قدم سے ان کی چشمِ عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو، گر اس کی — امانت دارِ نورِ احمدی، ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم و حوّا کی خلقت سے کیا پیدا — مراد الفاظ سے معنی ہے، تا آیاتِ قرآنی

خیالِ خلق اس کا گر شفیعِ کافراں ہووے — رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

زباں پر اس کی گزرے حرفِ حسن جا گر شفاعت کا — کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

رکھا جب سے قدم مسند پر آ اُن نے شریعت کی — کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

اگر نقصان پہ جس کے شرر کا ٹک ارادہ ہو — کرے کو آگ کے دو دہ میں کرے غرق آن کر پانی

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو — تو کوئی سنگ سے بندھتی نہ شکلِ لعلِ رمانی

یہ کیا انصاف ہے یا رب! کہ طیر و وحش تک جگ میں — اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جاتی

پلے ہے آشیاں میں باز کے، بچہ کبوتر کا — شباں نے گرگ کو، گلے کو سونپی ہے نگہبانی

ہما آسا ہے پرواز بلند، اوجِ سعادت پر — کرے ہے مور چڑھ کر سینۂ دو پر سلیمانی

کھلیں ہیں غنچۂ گل باغ میں خاطر سے بلبل کی — جواب اوراقِ جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی

جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا — تو اس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی

ہزار افسوس اے دل! ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں — وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

نہ ہوتے سے جدا سایہ اس قامت سے پیدا ہے — قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی

جسے یہ صورت و سیرت، کرامت حق نے کی ہووے — بجا ہے کہئے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی

معاذ اللہ! یہ کیسا حرفِ بے موقع ہوا سرزد　　جو اس کو پھر کہوں تو ہوؤں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو، یہ سمجھا　　کہ وہ مہرِ الوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی
جو صورت اس کی ہے لاریب وہ ہے صورتِ ایزد　　جو معنی اس میں ہیں بے شک وہی معنیٔ ربانی
حدیثِ مَن رآنی، دال ہے اس گفتگو اوپر　　کہ دیکھا جن نے اس کو ان نے دیکھی شکلِ یزدانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو　　خدا گر یہ نہ فرماتا، نہیں کوئی مرا ثانی

بس آگے مت چل اے سودا! ایسا دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اب اس منہ سے ویسے کی ثنا خوانی

غلام امام شہید

چمن میں آج کیا شور و فغاں ہے　　کہ گل خنداں ہے بلبل نغمہ خواں ہے
تبسّم خیز غنچے کا دہاں ہے　　ترنم ریز سوسن کی زباں ہے
طرب انگیز ہے پھولوں کی خوشبو　　نشاط آمیز رنگ گلستاں ہے
وصال سرو سے شاداں ہے قمری　　گل و بلبل کا باہم اقتراں ہے
گل نسرین ہے روشن مثل انجم　　خیابانِ گلستاں کہکشاں ہے
شقائق پر تو افگن ہے زمین پر　　چمن کی خاک لخت ارغواں ہے
گل شبّو میں ہے ایسی صفائی　　کہ اوس پر روز روشن کا گماں ہے
بساط سبزہ پر غلطاں ہے بیتاب　　نگہ شبنم کی با آب رواں ہے
عروسانِ چمن پر جو ہے جوبن　　وہ حورانِ بہشتی پر کہاں ہے
جو روئے عاشقاں ہے زرد وہ بھی　　بہار افزا بہ رنگ زعفراں ہے
فریب دلربائی میں ہے گستاخ　　یہ سنبل ہے کہ زلف مہوشاں ہے
یہ کس کی تک رہی ہے راہ نرگس　　کہ سر تا پا نگاہِ ناتواں ہے
یہ کس کی زلف کی لاتی ہے نکہت　　جو باد صبح دم عنبر فشاں ہے
بہار آئی بہار آئی چمن میں　　یہی سب دوستوں کی داستاں ہے
عزیزو مفت ہے سیر گلستاں　　کشادہ در ہے سوتا پاسباں ہے
نہیں صیّاد کا ڈر بلبلوں کو　　کہ شاخ گل پہ اونکا آشیاں ہے
طمانیت ہے مرغانِ چمن کو　　نہ کھٹکا ہے نہ خوف باغباں ہے
جو گل گشت چمن کو میں بھی آیا　　تو دیکھا اوسمیں اک زیبا مکاں ہے
تعالی اللہ کیسا قصر عالی　　کہ جس کے وصف میں قاصر زباں ہے
وہ ایوان ضیا گستر کہ جس کی　　زمیں بوسی کو جھکتا آسماں ہے

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

اگر خورشید ہے ذرہ ہے اوس کا
اگر مہتاب ہے اوس کی کناں ہے

تمنا ہے بلا گردان ناموس
کہ اوس کی شمع کا پروانہ جاں ہے

ملائک سب کھڑے ہیں دست بستہ
کمر باندھے ہوئے ہر انس و جاں ہے

مکاں آراستہ کرنے کو طیار
در دولت پہ حاضر اک جہاں ہے

چمکتا نور ہے اوس کی جبیں سے
بشارت ہر اشارت سے عیاں ہے

تبسم سے عیاں احیائے اموات
تکلم جاں فزائے مردگاں ہے

نشاں دیتا ہے ہر شے کو مکرر
کہ دیکھو یہ یہاں ہے وہ وہاں ہے

خود ایسی کار فرمائی سے اپنی
نہایت خوش ہے بے حد شادماں ہے

جو اوس کے پاس جا کر میں نے پوچھا
ترا کیا نام ہے رہتا کہاں ہے

یہ تیرا گھر ہے یا جنت ہے یا عرش
کہ شان برتری اوس سے عیاں ہے

کہا میں عیسی گردوں نشیں ہوں
مکاں میرا چہارم آسماں ہے

یہ گھر میرا نہیں جو تو ہے سمجھا
ادب سے دور یہ تیرا گماں ہے

تعالی اللہ یہ وہ آستاں ہے
کہ جبرئیل اوس کا ادنی پاسباں ہے

مکاں یہ مولد شاہ زماں ہے
مکاں یہ سجدہ گاہِ قدسیاں ہے

یہ جنت ہے نہ عرش معلی
محمد مصطفے کا یہ مکاں ہے

محمد سر پنہاں میں نہاں ہے
محمد عین اعیان عیاں ہے

محمد بادشاہ دو جہاں ہے
محمد قبلہ گاہِ مقبلاں ہے

محمد شمع ہے بزم قدم کا
محمد مالک کون و مکاں ہے

محمد فخر ہے پیغمبروں کا
محمد مقتدائے مرسلاں ہے

محمد ہے چراغ افروز ہستی
محمد قالب عالم کی جاں ہے

محمد ہے دوائے دردمنداں
محمد چارۂ بے چارگاں ہے

محمد سے ہوئی تکوین کونین
محمد مدعائے کن فکاں ہے

محمد ہے بہار باغ ایجاد
محمد مقصد ہر این و آں ہے

محمد ہر جراحت کا ہے مرہم
محمد مونس دل خستگاں ہے

محمد رنگ و بو ہے ہر چمن کا
محمد آبروئے بحر و بر ہے

محمد ہے محمد ہے محمد
فرشتوں کا یہی ورد زباں ہے

خبر دینے کو آیا ہوں زمیں پر
کہ آمد آمد اب اوس کی یہاں ہے

نہ تنہا بننے پائی ہے یہ خدمت
خضر بھی اوس کے موکب میں رواں ہے

خلیل اللہ کو ایسی ہے خلت
کہ ہاتھوں میں لئے نعمت کا خواں ہے

کرے گا آج اوس مہماں کی دعوت
کہ گردوں جس کے مطبخ کا دھواں ہے

وہ صورت دیکھ کر کہتا ہے یعقوب
مجھے انصاف ہی لازم یہاں ہے

نہیں یوسف کو کچھ احمد سے نسبت
مگر فرقِ زمین و آسماں ہے

جو یوسف ہے فقط میرا ہے محبوب
تو وہ محبوب خلاق جہاں ہے

کہا یوسف نے میں شیدا ہوں اوس کا
کہ مجھ کو چاہ اوس کی حرز جاں ہے

کلیم اللہ نے پوچھا خدا سے
کہ ناز لن ترانی اب کہاں ہے

برای العین دیکھا مصطفے نے
جو میری آنکھ سے اب تک نہاں ہے

ہوا مسند نشین عرش ایسا
کہ گویا خود مکین لامکاں ہے

ندا آئی تعجب کیا ہے موسی
عیاں ہے یہ نہ محتاج بیاں ہے

کہ تو عاشق ہے اور معشوق ہے وہ
سمجھ لے فرق نازک درمیاں ہے

مسیحا کا بیاں یہ سن کے ہاتف
پکارا ہاں نشاطِ جاوداں ہے

مبارک ہو مبارک ہو مبارک
ہوا پیدا شہنشاہِ زماں ہے

ہوا پیدا وہ شمع عالم افروز
کہ نورانی زمین و آسماں ہے

ہوا پیدا وہ دریائے حقیقت
کہ جس کا ابر رحمت درفشاں ہے

اوسی کے ظاہر و باطن سے پیدا
ھو الظاہر ھو الباطن کی شان ہے

ہوالاول ہوالآخر کا مضمون
اوسی کے حسن صورت سے عیاں ہے

اوسی کے واسطے پیدا ہوا سب
جو عالم میں عیاں ہے یا نہاں ہے

اوسی کے رشحۂ فضل و کرم سے
گلستاں میں "بہارِ بے خزاں" ہے

اوسی کا نور پھیلا ہے کہ ہر سو
تجلی مشعل افروز جہاں ہے

مسلمانوں کے گھر شادی ہے شادی
مسرت کارواں در کارواں ہے

مجالس کی وہ کثرت ہے کہ ہر دم
جہاں دیکھو فراہم اک جہاں ہے

محک ہے مجلس میلاد یارو
قلوب نیک و بد کا امتحاں ہے

جو کاسد ہے وہی حاسد ہے فاسد
نہ واں اوسکی رہائی ہے نہ یاں ہے

جو کامل ہے اوسے ایمان ہے حاصل
معین اوس کا شفیع امتاں ہے

فضائل یوں تو ہر مجلس کے جو ہیں
علیم اوس کا خدائے غیب داں ہے

ولے اس گھر میں جو ہوتی ہے مجلس
عجب آئینہ دار عز و شاں ہے

فرشتوں تک پہونچتی ہے جو خوشبو
تو کہتے ہیں یہ مجلس کہاں ہے

محی الدین کے گھر میں ہے مجلس
کہ اوس سے عطر پرور مغز جاں ہے

محمد یار و یاور ہووے اوس کا
جو نام اوس کا محمد یار خاں ہے

شنو چل کر بیانِ عاشقِ زار
کہ رشک بلبل بے خانماں ہے

شنو چل کر ثنا خوانِ پیمبر
دکن میں طوطئ ہندوستاں ہے

کہیں اوس کی دعا پر ہم سب آمین
کہ مقبول خدائے انس و جاں ہے

الٰہی بانئ محفل سلامت
رہے با عافیت جب تک جہاں ہے

جزاء الله فی الدارین خیرا
جہاں میں خیر کا جب تک نشاں ہے

ترے محبوب کی مجلس میں اس دم
جو حاضر کودک و پیر و جواں ہے

مرادیں سب کو حاصل ہوں خدایا
ترے حد تک رجوع بندگاں ہے

دعا سے مدعا ہوتا ہے حاصل
تو ایسا کارساز دو جہاں ہے

ترے فضل و کرم پر سب ہیں نازاں
تجھی سے التجائے عاصیاں ہے

تجھی سے مقصد دل مانگتا ہوں
کہ میرا حال سب تجھ پر عیاں ہے

غم دوری سے ایسا ناتواں ہوں
کہ بار زندگی مجھ پر گراں ہے

مدینے کی تمنا میں شب و روز
دل رنجور بے تاب و تواں ہے

مدینے کی طلب گاری میں ہر دم
تڑپتی روح ہے اور لب پہ جاں ہے

مدینے میں مجھے پہونچا دے یارب!
یہی ہر دم مرا وردِ زباں ہے

مدینے کی زمیں کا رزق ہو جائے
یہ تن میرا جو مشت استخواں ہے

مدینے کی رہے گی مجھ کو حسرت
بدن میں جب تلک روح رواں ہے

مدینے کی زیارت ہو میسر
مناجات شہید خستہ جاں ہے

(قصائد نعتیہ، مطبوعہ نظامی پریس، کانپور ۱۲۹۲ھ)

...▲●▲...

کرامت علی شہیدی

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا / سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا
طلوع روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا / ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا
دلبستانِ ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا / نہ تھا نام ونشاں جن روزوں اوس لوح زبرجد کا
چمن پیرائے کن فراش اوسکی بزم رنگیں میں / بہارِ آفرینش ایک بوٹا اوس کی مسند کا
عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا / عرب میں غل ہوا جس وقت اوسکی آمد آمد کا
شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اوس سے / نہ تنہا فخر عالم فخر تھا اپنے اب وجد کا
شب و روز اونکے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا / عجب ڈھب یار تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا
وہ اس عالم میں رونق بخش تھا حوروں کی تسکیں کو / گیا جنت میں طوبیٰ بن کے سایہ اوس سہی قد کا
رواں تسنیم وکوثر ایک قطرہ آب سے اوسکے / کروں کیا وصف اوس دُرِّ یتیم بحر سرمد کا
شب معراج چڑھ کر عرش سے دم میں اوتر آیا / بیاں اوس قلزم معنی کا ہو کیا جزر اور مد کا
کشادہ عقدۂ باطن میں کافی نام حق اوس کو / کھلا کرتا ہے بن کنجی ہمیشہ قفل ابجد کا
وفات ظاہری سے جوہر جاں میں نہ فرق آیا / وہ جسم پاک کو محسود تھا روح مجرد کا
گر افعی بن کے جاں نکلے اودھر ابلیس اندھا ہو / ملا ہے قصر اخضر روح کو اوسکی زمرد کا
نہ کم قدر اوسکے شیرازہ بکھر جانے سے ارکاں کے / نہ افزوں رتبۂ قرآں مجزّا سے مجلد کا
اودھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق سے شامل / خواص اوس برزخ کبریٰ میں حرف مشدد کا
گزر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو / نہ بنتا صفر گر نقش احد پر میم احمد کا
بھروسہ ہر کسی کو اک حصار عافیت کا ہو / مجھے نام مبارک کا ہے، ذوالقرنین کو سد کا
ترے پابوس سے ہفتم فلک پر منزل کیواں / ترے سجدے سے ہشتم آسماں ہر فرق فرقد کا
خدا بن مانگے کیا کیا نعمتیں دیتا ہے بندوں کو / ترا دست دعا ضامن ہے جب سب کل کے مقصد کا
بٹیں گے جس گھڑی عشرت کے ساماں بزم جنت میں / کھلے گا حال امت کو ترے انعام بیجد کا

رہا کعبے میں تیرے روضے کے در پر نہ جا پائی / اسی اندوہ سے ہے زنگ تیرہ سنگ اسود کا
نشانہ قادر انداز قدر کا دست وبازو ہو / تری خواہش کرے تیر قضا کو حکم گر رد کا
لب گوہر فشاں وا ہوں گے جب عرض شفاعت کو / تماشا گاہ محشر میں تکیں گے نیک منھ بد کا
عدو کو حشر تک انکار ہو تیری رسالت میں / محل باقی رہے اللہ کے قول مؤکد کا
ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے میرا ہے یہی ایماں / نہ مانوں مسئلہ ہرگز کسی زندیق ومرتد کا
تیری تعریف سے میری زباں میں آئی ہے تیزی / صفاہاں تک مسخر ہو گا اس تیغ مہند کا
پھٹیں گے مثلِ تقویم کہن دیواں ہزاروں کے / ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجدد کا
ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب / میسّر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا
کبھی نزدیک جاکر آستانہ پر ملوں آنکھیں / کبھی گرد و نہ بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا
فروغ دل سے گرواں زندگی کا کوئی دم گزرے / حسد ہو خضر و عیسیٰ کو مرے عیش مخلد کا
مدینے کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ / کبھی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے / قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

خدا منھ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میرے جس دم نام آتا ہے محمد کا

(دیوان شہیدی، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۸۹۴ء)

محسن کاکوروی

پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل   کہ ہے چکر میں، سخن گو کا دماغ مختل
باغ میں ابرِ سیہ مست، چڑھا کر آیا   جامِ خورشید، صُبحِ میکدۂ برجِ حمل
چشمِ میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب   پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل
جام بے بادہ سے کہتے ہیں کہ رندوں کو نہ چھیڑ   دستِ بے جام سے کہتے ہیں کلیجوں کو نہ مَل
گوہرِ دل کو بڑی سنگ دلی سے پیسا   کشتیٔ مے کو بنایا مرے ساقی نے کھرل
کیسی افسردگی! کیا بات ہے مرجھانے کی   غنچہ کہتا ہے لجالو سے کہ گلشن سے نکل
سیر میں دشت کی مصروف ہے، جو پانو ہے لنگ   شغل میں چاک گریباں کے ہے جو ہاتھ ہے شَل
مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لئے   سرِ بازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل
مئے گل رنگ ہے کیا، شمع شبِ فکر کا پھول؟   چلتے چلتے جو قلم ہاتھ سے جاتا ہے نکل
کیا جنوں خیز ہے، لکھنے میں صریرِ کلک   کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سودے کا خلل
ہے سخن گو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر   ہو گئی نظم کی انشا و خبر سب مہمل
دل میں کچھ اور ہے پر منہ سے نکلتا ہے کچھ اور   لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل
کتنا بے قید ہوا، کس قدر آوارہ پھرا؟   کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے، کبھی جمنا پر   گھاگھرا پر کبھی گزرا، کبھی سوئے چنبل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل   نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار   ہوئی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل
روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف   تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراجِ سخن   ہاتھ میں جامِ زحل شیشۂ مہ زیرِ بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پانو!   کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بھل

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں   خرمنِ برق تجلی کا لقب ہے بادل
تارِ بارانِ مسلسل ہے ملائک کا درود   پے تسبیح خداوندِ جہاں عزّ و جل
کہیں طوبیٰ، کہیں کوثر، کہیں فردوس بریں   کہیں بہتی ہوئی نہرِ لبن و نہرِ عسل
کہیں جبریل حکومت، کہیں فردوس بریں   کہیں رضواں کا کہیں ساقیٔ کوثر کا عمل
کنزِ مخفی کے کسی سمت نہاں تہ خانے   اک طرف مظہرِ قدرت کے عیاں شیش محل
عاشقِ جلوہ طلب گار کہیں چشمِ قبول   نازِ معشوق کے پردے میں کہیں حسنِ عمل
گلِ بے رنگیٔ مطلق کے لہکتے گلزار   بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل
باغِ تنزیہ میں سرسبز نہالِ تشبیہ   انبیا جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گلِ خوش رنگ، رسولِ مدنی عربی   زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہم سر نہ نظیر   نہ کوئی اس کا مماثل، نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر   بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضَو اوجِ شرف کا مہِ نو   شمعِ ایجاد کی لو، بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں زیبِ دہِ عرشِ بریں   حامیٔ دینِ متیں ناسخِ ادیان و ملل
ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ   چار اطرافِ ہدایت میں نبیٔ مرسل
جی میں آتا ہے لکھوں مطلعِ برجستہ اگر   وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل

منتخبِ نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل
کہ نہ احمد کا ہے ثانی نہ اَحَد کا اوّل

دورِ خورشید کی بھی حشر میں ہو جائیگی صبح   تا ابد دورِ محمد کا ہے روزِ اوّل
شبِ اسریٰ میں تجلی سے رخِ انور کی   پڑ گئی گردنِ رف رف میں سنہری ہیکل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرشِ بریں   خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل
افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب   اولویت پہ تری متفق ادیان و ملل
لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم   قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی مستاصل
مبحثِ جاہ میں اعلیٰ کے ہیں معنی ادنیٰ   مصرفِ جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل

شانِ حضرت کا ہے تشدیدِ دو لامِ واللّیل   صادِ مازاغ البصر، سرمۂ چشم اکحل

جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم   جس جگہ پانو رکھے سجدہ کریں لات و ہبل

تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہہ   شانِ بے رنگیٔ مطلق ہے تجھے رنگ محل

ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام   بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل

ہو سکا ہے کہیں محبوبِ خدا غیرِ خدا   اک ذرا دیکھ سمجھ کر، مری چشمِ احول

رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف   میمِ احمدؐ نے کیا آکے یہ قصہ فیصل

نظر آئے اگر احمدؐ میں مجھے دالِ دوئی   روزِ محشر ہوں الٰہی مری آنکھیں احول

پھر اسی طرز کی مشتاق ہے مواجیِ طبع   کہ ہے اس بحر میں اک قافیہ اچھا بادل

کیا جھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل
سجدے کرتا ہے سوئے یثرب و بطحیٰ بادل

چھوڑ کر مے کدۂ ہند و صنم خانۂ برج   آج کعبہ میں بچھاتے ہے مصلّا بادل

سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا   شہ سوارِ عربی کے لئے کالا بادل

بحرِ امکاں میں رسولِ عربی دُرِّ یتیم   رحمتِ خاصِ خداوند تعالیٰ بادل

قبلۂ اہل نظر، کعبۂ ابروئے حضور   موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے کالا بادل

رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق   برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلّا بادل

دور پہنچی لبِ جاں بخش نبی کی شہرت   سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرتِ عیسیٰ بادل

چشمِ انصاف سے دیکھ آپ کے دندان شریف   دُرِ یکتا ہے ترا گرچہ یگانہ بادل

تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پر   شبِ معراج میں تھا عرشِ معلیٰ بادل

آمد و رفت میں تھا ہم قدمِ برقِ بُراق   مرغزارِ چمنِ عالمِ بالا بادل

ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجایا ڈنکا   تھا تری عامِ رسالت کا گرجتا بادل

دینِ اسلام تری تیغِ دو دم سے چمکا   یا اٹھا قبلہ سے دیتا ہوا کاندھا بادل

آستانے کا ترے دہر میں وہ رتبہ ہے   کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل

تو وہ فیاض ہے در پر ترے سائل کی طرح   فلکِ پیر کو لایا دئے کاندھا بادل

تیغ میدانِ شجاعت میں چمکتی بجلی   ہاتھ، گلزارِ سخاوت میں برستا بادل

محسنؔ اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر   کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی   نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے   صرف تیرا ہو بھروسا تری قوت ترا بل

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سرسبز   جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ   شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

نامِ احمدؐ بہ زباں سِرّ بلا میم بہ صدر   لب پہ ہو صلِّ علیٰ دل میں مرے عزّ و جل

روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل   کہ مری جان! مدینے کو جو چلتی ہے تو چل!

دمِ مُردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا مری   فکرِ فردا کی نہ کر، دیکھ لیا جائے گا کل

یادِ آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے   گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا   نہ اٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بے کل

رخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ فنا   مرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل

حذف ہوں میرے گناہانِ ثقیل اور خفیف   آئیں میزاں میں جب افعالِ صحیح و معتل

میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ   عارضِ شاہدِ محشر ہو اگر حسنِ عمل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح   ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ!
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

امیر مینائی

(مطلع)

الف آدم میں ہے میم و د احمد میں بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یا سایہ نہ تھا قد کا

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمد کا
اثر میمِ مشدّد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا

جو آنکھیں ہوں تو نام پاک سے پیدا ہے یکتائی
کہ آغوشِ احد میں جلوہ گر ہے میم احمد کا

زہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے
رواں ہمراہ قاصد کے گیا ہدیہ خوشامد کا

مگر حاجی انھیں کا سنگِ در اس کو سمجھتے ہیں
لیا کرتے ہیں کعبہ میں جو بوسہ سنگ اسود کا

شروع دفتر امکاں میں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پہ پہلے محمد کا

فلک پہ ہوں نہ کیونکر دیدۂ شمس و قمر روشن
لگایا کرتے ہیں آنکھوں میں سرمہ خاک مرقد کا

فلک طاؤس کی صورت جو اب تک رقص کرتا ہے
کبھی دیکھا تھا جلوہ ابروئے گیسوئے احمد کا

جدا رکھا مجھے اس روضۂ پرنور سے اب تک
برا ہو طالع بد کا، برا ہو طالع بد کا

جو اپنے دوست کا ہو دوست سب کو دوست ہوتا ہے
خدا کا کیوں نہ عاشق ہو جو عاشق ہے محمد کا

بہت ہے ناز حسینان عجم کو تیز طبعی پر
مگر جوہر نہیں دیکھا مری تیغ مہند کا

الٰہی ہو گزر تعلیم گاہ بزم مولا میں
جھکے ایسا کہ شکل دال بن جائے الف قد کا

کمی اس سے نہیں کی میں نے بھی توصیف حضرت میں
شہیدی گو کہ موجد ہے اس آئین مجدد کا

یہاں سے لکھ کے پھر دو چار مطلع مدح کرتا ہوں
شگفتہ تا دوبارہ دل ہو مشتاقانِ احمد کا

(مطلع)

ظہور آخر ہے اول انبیا سے نور احمد کا
بجا ہے گر لقب ہو اول و آخر محمد کا

عبادت سے نہیں خالی تماشا اس کی مسند کا
کہ ہر بوٹا ہے پٹھا جلد قرآن مجلد کا

نگینہ نامور کیا خاک ہو چرخ زبرجد کا
بنے جب تک نہ آئین بیل بوٹا اس کی مسند کا

الٰہی آئے وہ جھونکا ہوائے شوق بے حد کا
اڑا لیجائے دکھلا دے مجھے روضہ محمد کا

مجسم کر کے نور اپنا خدا نے عرش سے بھیجا
ادا ہو شکر کیا بندوں سے اسکے لطف بیحد کا

بلاؤں سے امان خلقت نے نور پاک سے پائی
ہے اب رہنا نہ رہنا ایک ذوالقرنین کی سد کا

سنائیں کیسی گوش سامعین کو غیب کی باتیں
کئے لب وا تو دروازہ کھلا اسرار سرمد کا

خبر دیتے رہے مرسل سب اپنی اپنی امت کو
زمانے میں تھا کب شور ان کی آمد آمد کا

چلے جس سرزمیں پر اس کو کعبہ کی بزرگی دی
شرف ہر سنگ کو ہے نقش پا سے سنگ اسود کا

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظل خدا حضرت
جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدّد کا

تھکا جب ڈھونڈ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا
کہ ہے رخت سیاہ کعبہ سایہ آپ کے قد کا

گیا یہ پانی پانی گیسوئے مشکیں کی نجابت نے
سما کر خاک میں پوشیدہ سایہ ہو گیا قد کا

گماں ہوتا ہے جنت سے وہی اترا عبا ہو کر
اٹھا رکھا تھا جو اللہ نے سایہ محمد کا

نبی سب مجمع اعجاز کب تھے مثل حضرت کے
ملا تھا انکو تو ایک ایک پارہ اس مجلد کا

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت آدم
گرا تھا تاج نورانی سے آویزہ زمرد کا

سکونت کی جگہ درکار تو مخلوق کی تھی انکو
یہی باعث ہوا بنیاد نہ طاق زبرجد کا

حوادث سے ہوں ایمن کیوں نہ جو ساکن ہیں یاں روضے کے
کہ بسم اللہ کا گنبد ہے گنبد ان کے مرقد کا

غش آجائے جو موسیٰ اس تجلی زار کو دیکھیں
چراغ طور ہے رخشاں کلس روضے کے گنبد کا

ہوا یہ عندلیب سدرہ کی منقار رکھتی ہے
کہ لون گلگیر بن کر گل میں انکی شمع مرقد کا

وہ مستغنی مجاور ہیں کہ جن کے سامنے سلطان
ادب سے دم بخود ہیں منہ نہیں پڑتا خوشامد کا

برادر دونوں جبریل و علی ہیں نوری و خاکی
ادھر بھی ہے ادھر بھی سلسلہ ثابت محمد کا

ہوئے ہیں جمع امکان و قدم ذات مقدس میں
محمد میں یہی مطلب تو ہے میم مشدّد کا

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بے داری
کہ مخمل خواب سے واقف نہیں ہے اسکی مسند کا

دو عالم کے دوشالے کو ملی ہرگز نہ زیبائش
لگایا حاشیہ جب تک نہ اس میں اسکی مسند کا

حکومت دین کی پاکر جو بانٹی بیل ہاتھ آیا
کلیم اللہ کو چھوٹا سا بوٹا اس کی مسند کا

خدا کے نور کے ہمراہ نور مصطفیٰ دیکھا
مزا موسیٰ سے پوچھا چاہئے تکرار بیجد کا

بچی طوفان سے کشتی آکے ٹھہری کوہ جودی پہ
کہا جب نوح نے یارب بچا صدقہ محمد کا

خلیل اللہ پر کیسی گلستاں ہو گئی آتش
ہوا مشکل کشا موجہ نسیم باغ احمد کا

بٹھایا تخت شاہی پر مہ کنعاں کو زنداں سے
وہاں دشوار تھا آزاد کرنا کیا مقید کا

رہائی پائی قید بطن ماہی سے جو یونس نے
اشارہ یہ بھی تھا اک نون ابروئے محمد کا

کبھی ایوب کے شافی کبھی یعقوب کے حامی
بھرا در عنایت سے نہ دامن کس کے مقصد کا

بنا آیات قرآں کی ہے ان کی ذات سے محکم
قیام ان کے سبب کعبے کے ارکان مشید کا

اصول خمسۂ اسلام جو مشہور ہیں پانچوں
مخمس آپ کے دیوان ارشاد موکد کا

فروغ دین جو شش گانہ ہیں شائع اہل ایماں میں
مسدس آپ کے فکر مضامین مجدد کا

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انھیں دو نقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا ید کا

مشکک معجز شق القمر میں کچھ جو شک لائے
کرے دوارہ تشدید سر کاف مشدد کا

شجر مانند انساں بڑھ کے استقبال کو آئے
ہوا جب جنبش مژگاں سے ایما اس سہی قد کا

دل انساں کو کیا اس کا گوارا ہو غم فرقت
کرے نالہ جگر جب چاک ہوئے چوب مسند کا

بجا سبز و سیہ ہے جامۂ فیروزہ و نیلم
ہوا یاقوت احمر گو ہر دندان محمد کا

شکم پر سنگ اسود اور فاقہ سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد کا

شب معراج کیا اس مقتدا نے مرتبہ پایا
خدا مشتاق شہرہ قدسیوں میں آمد آمد کا

دکھایا صاف خرق والتیام ماہ کا عالم
جدا ہو کر ملا کیا نور حق سے نور احمد کا

رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر کو قدموں پر
ملا جبریل کو رستے میں کیا موقع خوشامد کا

کئے آٹھوں فلک طے دم میں پہنچے عرش اعلیٰ پر
قدم آگے بڑھا اس واقف اسرار سرمد کا

دکھائی قوت بازو کماں قرب یوں کھینچی
کہ عالم دونوں گوشوں میں ہوا حرف مشدد کا

کہا جو کچھ کہ کہنا تھا، سنا جو کچھ کہ سننا تھا
وہی قائل وہی سامع سماں آواز گنبد کا

لگایا غوطہ اس بحر حقیقت میں شناور نے
گریباں جزر کا جس میں دامن تھا کہیں مد کا

گئے حضرت پھرے حضرت مٹی گرمی نہ بستر کی
قدم تھا ایک ہی گویا در آمد اور برآمد کا

خدا سے جو ملا معراج میں نقد عطا ان کو
دیا امت کو عقدہ کھول کر زلف معقد کا

محبت ہے مرے دل میں بھی اس محبوب یزداں کی
ادریس نیک خو جس طرح عاشق تھا محمد کا

خدایا تو ہے منصف میں احد سمجھا جو احمد کو
کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا

نہ دولت کی تمنا ہے نہ حشمت کی ہوس مجھکو
الٰہی عشق احمد کا، الٰہی عشق احمد کا

زیارت کو جاؤں یارب پڑھے یہ غل مدینے میں
غلام آیا محمد کا، غلام آیا محمد کا

کلاہ فخر پھینکوں چرخ پر جامے سے باہر ہوں
نظر آئے مجھے جلوہ جو اس روضے کے گنبد کا

بناؤں فرش پا انداز ہر دم اپنی آنکھوں کو
سر مشتاق ہو اور آستانہ ہو محمد کا

جبیں سائی کروں ایسی کہ اس صیقل سے ظاہر ہو
چھپائے زنگ میں جوہر جو شمشیر مہند کا

ملے کیا لطف جب ہوں روضۂ پر نور میں داخل
ریاض خلد میں ہو سامنا عیش مخلد کا

کبھی لوں شوق کامل سے در و دیوار کے بوسے
لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاک مرقد کا

سلیقہ گو نہیں دربار کا لیکن توقع ہے
مجاور رحم کھا کر ڈھب بتا دیں گے خوشامد کا

عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر
نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسہ بے حد کا

کروں مس پوشش مرقد کو جب آنکھوں کے پردوں سے
ضیائے دیدۂ دل کو بڑھائے نور مرقد کا

نسیم لطف کا جھونکا الٰہی کوئی چل جائے
شگفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

دعا مانگو عقیدت سے مجاور سب کہیں آمین
الٰہ العالمین صدقہ ضریح پاک احمد کا

سلامت رکھ مرے کلب علی خاں بہادر کو
محمد نام جو ہم نام ہے تیرے محمد کا

زیادہ ملک ہو اس کا بڑھا اقبال و دولت کا
جہاں میں اس سے روشن نام ہے اس کے اب و جد کا

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

شاہ احمد رضا بریلوی

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک۔ چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولہا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے مونہہ پر آنچل تجلی ذاتِ بحت کے تھے

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آتیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

پرانا پرداغ ملگجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے

خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیبِ تن کی یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

تجلیِ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلّک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا غزال رم خوردہ سا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

ہجوم امید ہے گھٹاؤ مرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ
ادب کی باگیں لئے بڑھاؤ ملائکہ میں یہ غلغلے تھے

اٹھی جو گرد رہ منوّر وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل امنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کی رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنے اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا اجالتے تھے کھنگالتے تھے

نقاب الٹے وہ مہر انور جلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے

یہ جوشش نور کا اثر تھا کہ آب گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحر وحدت کہ دھل گیا نام ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

وہ ظل رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سرو چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے روح الامین کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

قوی تھے مرغان وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خون اندیشہ تھوکتے تھے

سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاج شرف ترے تھے

یہ سن کے بے خود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزم بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے
بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ ممجّد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَن تَرَانِی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغِ این و متی کہاں تھا نشانِ کیف و الی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے
اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دَنیٰ تَدَلّیٰ کے سلسلے تھے
ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا تموجِ بحرِ ہو میں ابھرا
دَنیٰ کی گودی میں ان کو لیکر فنا کے لنگر اٹھا دئے تھے
کسے ملے گھاٹ کا کنارہ کدھر سے گزرا کہاں اتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے
اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کی باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعفِ تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
اِدھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں اُدھر سے انعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پر نور میں پڑے تھے
زبان کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے
وہ برجِ بطحا کا ماہ پارا بہشت کی سیر کو سدھارا
چمک پہ تھا خلد کا ستارہ کہ اس قمر کے قدم گئے تھے
سرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنول بنے تھے
طرب کی نازش کہ ہاں لچکیے ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضدین تھا کہ پودے کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

نبیِّ رحمت شفیعِ امت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

...۷۰۸...

حسنؔ بریلوی

پُر نور ہے زمانہ صبحِ شبِ ولادت　　پردہ اٹھا ہے کس کا صبحِ شبِ ولادت

جلوہ ہے حق کا جلوہ صبحِ شبِ ولادت　　سایہ خدا کا سایہ صبحِ شبِ ولادت

فصلِ بہار آئی شکلِ نگار آئی　　گلزار ہے زمانہ صبحِ شبِ ولادت

پھولوں سے باغ مہکے شاخوں پہ مرغ چہکے　　عہدِ بہار آیا صبحِ شبِ ولادت

پژمردہ حسرتوں کے سب کھیت لہلہائے　　جاری ہوا وہ دریا صبحِ شبِ ولادت

گل ہے چراغِ صرصر گل سے چمن معطر　　آیا کچھ ایسا جھونکا صبحِ شبِ ولادت

قطرہ میں لاکھ دریا گل میں ہزار گلشن　　نشو و نما ہے کیا کیا صبحِ شبِ ولادت

جنت کے ہر مکاں کی آئینہ بندیاں ہیں　　آراستہ ہے دنیا صبحِ شبِ ولادت

دل جگمگا رہے ہیں قسمت چمک اٹھی ہے　　پھیلا نیا اجالا صبحِ شبِ ولادت

چٹکے ہوئے دلوں کے مدت کے میل چھوٹے　　ابرِ کرم وہ برسا صبحِ شبِ ولادت

بلبل کا آشیانہ چھایا گیا گلوں سے　　قسمت نے رنگ بدلا صبحِ شبِ ولادت

ارض و سماں سے منگتا دوڑے ہیں بھیک لینے　　بانٹے گا کون باڑا صبحِ شبِ ولادت

انوار کی ضیائیں پھیلی ہیں شام ہی سے　　رکھتی ہے مہر کیسا صبحِ شبِ ولادت

مکہ میں شام کے گھر روشن ہیں ہر نگہ پر　　چمکا ہے وہ اجالا صبحِ شبِ ولادت

شوکت کا دبدبہ ہے ہیبت کا زلزلہ ہے　　شق ہے مکانِ کسریٰ صبحِ شبِ ولادت

خطبہ ہوا زمیں پر سکہ پڑا فلک پر　　پایا جہاں نے آقا صبحِ شبِ ولادت

آئی نئی حکومت سکہ نیا چلے گا　　عالم نے رنگ بدلا صبحِ شبِ ولادت

روح الامین نے گاڑا کعبہ کی چھت پہ جھنڈا　　تا عرش اڑا پھریرا صبحِ شبِ ولادت

دونوں جہاں کی شاہی ناکتخدا دلہن تھی　　پایا دلہن نے دولہا صبحِ شبِ ولادت

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

پڑھتے ہیں عرش والے سنتے ہیں فرش والے   سلطانِ نو کا خطبہ صبح شبِ ولادت
چاندی ہے مفلسوں کی باندی ہے خوش نصیبی   آیا کرم کا داتا صبح شب ولادت
عالم کے دفتروں میں ترمیم ہو رہی ہے   بدلا ہے رنگ دنیا صبح شب ولادت
ظلمت کے سب رجسٹر حرف غلط ہوئے ہیں   کاٹا گیا سیاہا صبح شب ولادت
ملک ازل کا سرور سب سروروں کا افسر   تخت ابد پہ بیٹھا صبح شب ولادت
سوکھا پڑا ہے سارا دریا ہوا سماوا   ہے خشک و تر پہ قبضہ صبح شب ولادت
نوابیاں سدھاریں جاری ہیں شاہی آئیں   کچا ہوا علاقہ صبح شب ولادت
دن پھر گئے ہمارے سوتے نصیب جاگے   خورشید ہی وہ چمکا صبح شب ولادت
قربان اے دوشنبے تجھ پہ ہزار جمعے   وہ فضل تو نے پایا صبح شب ولادت
پیارے ربیع الاول تیری جھلک کے صدقے   چمکا دیا نصیبا صبح شب ولادت
وہ مہر مہر فرما وہ ماہ عالم آرا   تاروں کی چھاؤں آیا صبح شب ولادت
نوشہ بناؤ ان کو دولہا بناؤ ان کو   ہے عرش تک یہ شہرہ صبح شب ولادت
شادی رچی ہوئی ہے بجتے ہیں شادیانے   دولہا بنا وہ دولہا صبح شب ولادت
محروم رہ نہ جائیں دن رات برکتوں سے   اس واسطے وہ آیا صبح شب ولادت
عرش عظیم جھومے کعبہ زمین چومے   آتا ہے عرش والا صبح شب ولادت
ہشیار ہوں بھکاری نزدیک ہے سواری   یہ کہہ رہا ہے ڈنکا صبح شب ولادت
بندوں کو عیش شادی اعدا کو نامرادی   کڑکین کا ہے کڑکا صبح شب ولادت
تارے ڈھلک کر آئے کاسے کٹورے لائے   یعنی بٹے گا صدقہ صبح شب ولادت
آمد کا شور سن کر گھر آئے ہیں بھکاری   گھیرے کھڑے ہیں رستہ صبح شب ولادت
ہر جان منتظر ہے ہر دیدہ رہ نگر ہے   غوغا ہے مرحبا کا صبح شب ولادت
جبریل سر جھکائے قدسی پرے جمائے   ہیں سرو قد ستادہ صبح شب ولادت
کس داب کس ادا سے کس جوش کس طرب سے   پڑھتے ہیں ان کا کلمہ صبح شب ولادت
ہاں دین والو اٹھو تعظیم والو اٹھو   آیا تمہارا مولےٰ صبح شب ولادت

اٹھو حضور آئے شاہ غیور آئے   سلطان دین و دنیا صبح شب ولادت
اٹھو ملک اٹھے ہیں عرش و فلک اٹھے ہیں   کہتے ہیں ان کو سجدہ صبح شب ولادت
آؤ فقیر آؤ منہ مانگی آس پاؤ   باب کریم ہے وا صبح شب ولادت
سوکھی زبانو آؤ اے جلتی جانو آؤ   لہرا رہا ہے دریا صبح شب ولادت
مرجھائی کلیو آؤ کمھلائے پھولو آؤ   برسا کرم کا جھالا صبح شب ولادت
تیری چمک دمک سے عالم جھلک رہا ہے   میرے بھی بخت چمکا صبح شب ولادت
تاریک رات غم کی لائی بلا ستم کی   صدقہ تجلیوں کا صبح شب ولادت
لایا ہے شیر تیرا نور خدا کا جلوہ   دل کر دے دودھ دھویا صبح شب ولادت

بانٹا ہے دو جہاں میں تو نے ضیا کا باڑہ
دیدے حسن کا حصہ صبح شب ولادت

مصنف کی دیگر مطبوعہ تصانیف

۱۔ ارتعاش ________ شعری مجموعہ

۲۔ لب و لہجہ ___ (انعام یافتہ) ___ شعری مجموعہ

۳۔ رقص تحریر ________ طنز و مزاح

۴۔ شہ رگ ________ طنز و مزاح

۵۔ نکاح کی اہمیت ________ احکام و فضائل

۶۔ نعت کے چند شعرائے متقدمین ___ نعتیہ شعر و ادب

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books